ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 39)
نفس کا قیدی
(تحریر حسام بٹ)
عقیل قریشی ۔ یاسر حسنین
محمد سجاد بھٹی
سسپنس ڈائجسٹ : جون 2017

# نفس کا قیدی

ملک صفدر حیات

جتنی یہ کائنات پرانی ہے شاید زن، زر زمین کا جھگڑا بھی اتنا ہی پرانا ہے۔ فقط چہرے بدل جاتے ہیں۔ جذبات کا بہاؤ وہی رہتا ہے۔ ویسے ہی نفس اپنی ذات کو اہمیت دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کی طرح ایک چور خیال اسے اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے جرائم کی جانب چپکے سے دھکیل دیتا ہے۔ انسان کتنی خوبصورتی اور مکاری سے ایک محبت پانے کے لیے دوسری تمام محبتوں کا خون کرکے جانے کیسے خوش اور مطمئن رہ لیتا ہے... مگر ایسا ہمیشہ ممکن نہیں شاید، کیونکہ ضمیر کی تلوار اسے نہ تو خوش رہنے دیتی ہے اور نہ ہی سکون کا سانس لینے دیتی ہے۔ وہ بھی بھاگتا پھر رہا تھا... اپنے ہی سائے سے خوفزدہ تھا لیکن لہو کی ایک ایک بوند اپنے قاتل کا پتا دے رہی تھی۔ ملک صفدر جیسے مسیحانوں کو انصاف کے لیے ڈھونڈ رہی تھی۔ ایسے میں بھلا بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی... اور پھر شر پھیلانے والوں کو خیر کبھی پناہ نہیں دیتا تو اسے کیسے پناہ مل سکتی تھی۔

**ایک ماں جائے کی سنگدلی اور خودغرضی کا دلخراش واقعہ**

مئی کا مہینا جارہا تھا۔ گرمی عروج پر تھی۔ دھوپ میں ایسی تیزی تھی کہ سورج کی شعاعیں بدن کے آر پار ہوجاتی تھیں اور چند لمحے کھلے آسمان میں رہنے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ کھوپڑی میں سے بھیجا پگھل کر چہرے پر آجائے گا۔

موسم شدید ہو یا لذیذ، سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے جو کل کائنات کا مالک ہے اور اس کا کوئی بھی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ مئی میں گندم کی فصل تیار ہوجاتی ہے اور اس فصل کی پکائی کے لیے تیز دھوپ درکار ہوتی ہے۔ انسان اگر صبر اور شکر سے کام لے تو وہ قدرت کی بے بہا رحمتوں سے کماحقہ استفادہ کرسکتا ہے۔

ان دنوں گندم کی کٹائی کا دور چل رہا تھا۔ ایسی ہی ایک حبس زدہ صبح میں تیار ہوکر تھانے پہنچا تو ایک اندوہناک خبر میری منتظر تھی۔ مرزاپور سے دو افراد آئے تھے اور انہوں نے بتایا کہ ایک بندے کا قتل ہوگیا ہے۔

میں نے باری باری اطلاع کنندگان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ وہ سیدھے سادے دیہاتی تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”کون قتل ہوا؟“

”جیلا......“ ایک نے بتایا۔ ”اس کا اصل نام تو جمیل ہے مگر لوگ اسے جیلا کہتے ہیں۔“

”قتل کی واردات کس جگہ ہوئی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔ ”اور قاتل کون ہے؟“

”قاتل کا تو کچھ پتا نہیں سرکار۔“ مسکین صورت والے ایک دیہاتی نے جواب دیا۔ ”جیلا کی شادی ہونے والی تھی...... اس کی لاش ادھر کھیتوں میں پڑی ہے۔“

میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ مرزاپور سے تعلق رکھتے تھے اور یہ واقعہ بھی مرزاپور کے علاقے ہی میں پیش آیا تھا۔ ان دنوں میری تعیناتی ضلع شیخوپورہ کے ایک دور دراز تھانے میں تھی۔ مرزاپور میرے تھانے کی حدود میں آتا تھا۔ مرزاپور نامی یہ گاؤں ضلعی سرحد پر

واقع تھا۔ اس کی مغربی سمت میں ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اور جنوبی سمت میں ضلع اوکاڑہ تھا۔ ضلع اوکاڑہ اور شیخوپورہ کے درمیان دریائے راوی رواں دواں تھا۔ اگر اوکاڑہ سے مشرقی جانب سفر کریں تو راوی کے ساتھ ساتھ ضلع قصور اور پھر ضلع لاہور آتا تھا۔ شیخوپورہ بہ یک وقت راوی کے کنارے سے لاہور، قصور اور اوکاڑہ سے جڑا ہوا تھا۔ یہی راوی آگے مغربی جانب ہڑپہ اور ملتان کو ٹچ کرتا تھا جب کہ اس کا بالائی کنارہ لائل پور اور ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لگا ہوا تھا۔

میں نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ لیا اور اطلاع کنندگان کے ہمراہ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ تاحدِ نگاہ کھیتوں کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ مرزا پور کی زرعی اراضی تھی جو مغربی سمت آگے جا کر ضلع لائل پور کی اراضی سے مل جاتی تھی۔ لائل پور کی حدود میں پہلا گاؤں حویلی مراد تھا۔ مرزا پور اور حویلی مراد میں لگ بھگ آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔ یہ دونوں اپنے اپنے ضلع کے سرحدی گاؤں تھے۔

جائے وقوعہ ایک ایسا کھیت تھی جس میں آدھی فصل کی کٹائی ہو چکی تھی اور آدھی فصل ابھی باقی تھی۔ مقتول جمیل عرف جیلا کی لاش کھیت کے اس حصے میں پڑی تھی جہاں کٹائی کا عمل جاری تھا۔

میں اکڑوں بیٹھ کر جیلا کی لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ مقتول کی کھوپڑی کا برا حشر کیا گیا تھا۔ سر کے عقبی حصے میں کسی بھاری آہنی شے سے ایسی خوف ناک ضرب لگائی گئی تھی کہ اس کی کھوپڑی چٹخ کر رہ گئی تھی۔ کھوپڑی کی حالت بتاتی تھی کہ اس مہلک ضرب کے بعد وہ چند منٹ میں ''اناللہ'' ہو گیا ہوگا۔ سر والی چوٹ سے نکلنے والے خون نے اس کا چہرہ اور بدن کا بالائی حصہ تربہ تر کر دیا تھا تاہم اس وقت وہ خون جم کر خشک ہو چکا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق، جیلا کو موت کے منہ میں گئے بارہ گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔

میں نے الٹ پلٹ کر جیلا کی لاش کا معائنہ کیا تو اس کے بائیں ہاتھ پر ایک پٹی بندھی دکھائی دی۔ پٹی والا کپڑا بھی خون آلود تھا اور یہ خون اس کے ہاتھ والے زخم سے خارج ہو کر کپڑے تک پہنچا تھا۔ جیلا کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر لگنے والی چوٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی بے خبری میں سر کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس کی لاش کے قریب ہی درانتی بھی پڑی ہوئی تھی اور ایک جانب کٹی ہوئی گندم کا انبار بھی دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ اپنی موت سے قبل مقتول بڑے انہماک سے گندم کی کٹائی میں مصروف تھا کہ کسی شفیق القلب شخص نے کسی بھاری آہنی چیز سے ضرب لگا کر اسے موت کی نیند سلا دیا تھا۔

جیلا کی لاش کا تفصیلی جائزہ کر لینے کے بعد میں نے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا۔ آلۂ قتل بازیاب نہ ہو سکا۔ جیلا کی لاش کو چلچلاتی دھوپ میں رکھنا مناسب نہیں تھا لہٰذا میں نے اس کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ضلعی اسپتال بھجوا دیا پھر موقع پر موجود افراد سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق، وہاں ایک درجن سے زیادہ لوگ موجود تھے جن میں مقتول کا باپ رفیق اور بڑا بھائی شکیل بھی شامل تھے۔ یہ تینوں باپ بیٹے آج کل گندم کی کٹائی میں مصروف تھے۔ رفیق پندرہ ایکڑ اراضی کا مالک تھا اور یہی اراضی ان کا ذریعہ روزگار تھا۔

رفیق کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ عام سی شکل صورت کا مالک ایک کسان تھا۔ جوان بیٹے کی موت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں اسے لے کر ایک درخت کے نیچے آ بیٹھا۔ وہاں پر موجود افراد نے ہمارے لیے ایک چارپائی کا بندوبست کر دیا تھا۔

''رفیق!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے تمہارے بیٹے کی الم ناک موت کا بہت دکھ ہے۔ میں اسے زندہ تو نہیں کر سکتا لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ بہت جلد میں جیلا کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچا دوں گا۔''

''تھانے دار صاحب! جیلا کی چند ماہ بعد شادی ہونے والی تھی۔'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔ ''پتا نہیں، کس ظالم کی نظر اسے کھا گئی۔''

''جیلا کو جس ظالمانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل کے دل میں اس کے لیے بہت زیادہ نفرت تھی۔'' میں نے رفیق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ جیلا کی دشمنی کس شخص سے تھی؟''

''کسی سے نہیں جناب۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جیلا تو اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اس کے نہ تو دوست تھے اور نہ ہی دشمن۔ دونوں بھائی مل کر کھیتی باڑی میں میرا ہاتھ بٹاتے تھے۔''

''لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی خوامخواہ کسی کی جان نہیں لیتا۔'' میں نے کہا۔ ''میں کسی بھی قیمت پر یہ نہیں مان سکتا کہ بغیر دشمنی کے تمہارے بیٹے کو اتنی بے دردی سے قتل

رہ گیا......"

"میں کیا کہوں جی۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"وہ ناراب ہی بہتر جانتا ہے۔"

"تم نے بتایا ہے کہ چند ماہ بعد جیلا کی شادی ہونے والی تھی۔" میں نے رفیق کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے استفسار کیا۔ "تم نے مقتول کا رشتہ کہاں طے کیا تھا؟"

"اپنے بڑے بھائی صدیق کی لڑکی سے۔" اس نے جواب دیا۔ "نبیلہ صدیق کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"کیا تمہارا بھائی صدیق بھی مرزا پور ہی میں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔" اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔ "صدیق مرزا پور سے آٹھ میل دور ایک گاؤں حویلی مراد میں رہتا ہے جناب۔ وہاں اس کی مٹھائی اور دودھ دہی کی دکان ہے۔"

اگرچہ مرزا پور اور حویلی مراد کے بیچ اور کوئی گاؤں نہیں پڑتا تھا۔ یہ دونوں دیہات زرعی اراضی کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے لیکن سرحدی تقسیم کی رو سے مرزا پور ضلع شیخوپورہ میں اور حویلی مراد ضلع لائل پور میں شمار ہوتا تھا۔

"رفیق! ایک بات کا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "اس رشتے کے حوالے سے تمہاری یا جیلا کی کسی سے کوئی ناراضی یا لڑائی وغیرہ تو نہیں ہوئی تھی؟"

"بالکل نہیں تھانے دار صاحب۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔"

"اور اُدھر حویلی مراد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"جی...... میں سمجھا نہیں!" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"میرا مطلب ہے، جیلا سے رشتہ طے ہونے سے پہلے نبیلہ کے لیے کوئی اور رشتہ بھی آیا تھا؟" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی ایسا رشتہ جسے تمہارے بھائی نے ٹھکرا دیا ہو اور وہ جیلا کا دشمن بن گیا ہو......؟"

"دیکھیں جی، جس گھر میں بیری کا درخت لگا ہو، وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اسی طرح جس گھر میں جوان لڑکیاں یا لڑکی ہو، وہاں رشتے بھی آیا ہی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے، نبیلہ کے اور بھی رشتے آئے ہوں گے لیکن میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ صدیق کے انکار پر کوئی صدیق کا یا جیلا کا دشمن بن گیا ہو۔ اس سلسلے میں تو صدیق ہی آپ کو بتا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، یہ سوال میں صدیق ہی سے کروں گا۔" میں نے کہا پھر پوچھا۔ "تم نے بتایا ہے کہ تم تینوں باپ بیٹے مل کر کھیتی باڑی کرتے ہو۔ کیا کل بھی تم تینوں ہی کھیتوں میں موجود تھے؟"

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میری کمر میں شدید تکلیف تھی اس لیے میں گھر پر آرام کر رہا تھا۔ جیلا اور شیلا کو میں نے گندم کی کٹائی کے لیے کھیتوں میں بھیج دیا تھا۔"

شیلا سے اس کی مراد جیلا کا بڑا بھائی شکیل تھی۔ میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ "اب تمہاری کمر کی تکلیف کا کیا حال ہے؟"

"جناب! کیا بتاؤں......" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس واقعے نے تو میری کمر ہی توڑ دی ہے...... مجھے اپنی کوئی تکلیف یاد نہیں...... میرا جوان جہان پتر قتل ہو گیا......"

میں رفیق کے جذبات اور احساسات کو بہ خوبی سمجھ رہا تھا۔ جوان بیٹے کی الم ناک موت نے بوڑھے باپ پر قیامت ڈھا دی تھی اور بیٹا بھی وہ جس کی چند ماہ بعد شادی ہونے والی تھی۔

"میں نے جیلا کے بائیں ہاتھ پر ایک پٹی بندھی دیکھی ہے۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "کیا تم اس بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"

"وہ پٹی تو میں نے بھی دیکھی ہے تھانے دار صاحب۔" وہ کمزور سی آواز میں بولا۔ "کل صبح گھر سے جب وہ نکلا تھا تو اس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے۔ لیکن فصل کی کٹائی کے دوران میں اس کے ہاتھ پر چوٹ لگ گئی تھی اس لیے پٹی باندھی تھی۔"

"ہوں......" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "جیلا عموماً کتنے بجے تک کھیتوں سے گھر آجایا کرتا تھا؟"

"ہم تینوں مغرب کی اذان سے پہلے ہی کام روک دیا کرتے تھے۔" اس نے بتایا۔ "پھر ایک ساتھ ہی گھر جاتے تھے۔"

"کل تم کمر کی تکلیف کے باعث کھیتوں میں آئے ہی نہیں تھے۔" میں نے کہا۔ "کیا جیلا اور شیلا مغرب کی اذان سے پہلے گھر پہنچے تھے؟"

"صرف شیلا پہنچا تھا جناب!" اس نے جواب دیا۔

"شیلا اس کے ساتھ نہیں تھا۔ جب میں نے شیلا سے جیلا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ فصل کاٹتے ہوئے درانتی سے جیلا کا ہاتھ زخمی ہوگیا تھا لہٰذا اس نے جیلا کے ہاتھ پر پٹی باندھی اور اسے گھر جانے کے لیے کہہ دیا پھر وہ خود اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔"

"اوہ......" میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "جیلا مغرب کی اذان سے پہلے ہی کھیتوں سے روانہ ہوگیا لیکن گھر نہیں پہنچا...... کیا تم بتا سکتے ہو کہ جیلا کتنے بجے کھیتوں سے نکلا تھا؟"

"اگر آپ یہ سوال شیلا سے کریں تو وہ آپ کو بہتر طور پر بتا سکے گا۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "میرا دماغ کام نہیں کررہا تھانے دار صاحب۔"

"ٹھیک ہے، باقی کی پوچھ گچھ میں شیلا سے کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "بس، تم آخری سوال کا جواب دے دو......" لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک گہری سانس لی پھر پوچھا۔

"جب گزشتہ رات جمیل عرف جیلا گھر نہیں پہنچا تو آپ لوگوں کو تشویش نہیں ہوئی۔ آپ لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"ہم نے پورا مرزا پور چھان مارا تھا۔" وہ دکھی لہجے میں بولا۔ "پوری رات ہم نے پریشانی میں جاگ کر گزاری ہے۔ اس کی ماں کا تو برا حال تھا۔ ہماری نظریں گھر کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ ہوا سے دروازہ ہلتا تھا تو یہی لگتا تھا کہ جیلا آگیا ہے لیکن وہ نہیں آیا...... اور پھر صبح اس کی موت کی خبر آگئی......"

"جیلا کی موت کی خبر آپ لوگوں تک کس نے پہنچائی تھی؟" میں نے استفسار کیا۔

"شوکت علی نے۔" رفیق نے بتایا۔

"کون شوکت علی؟"

"مرزا پور ہی کا وسنیک ہے جی۔" اس نے جواب دیا۔ "چار سال پہلے فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ آج کل چھٹی پر گاؤں آیا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے رفیق!" میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ اگر کوئی ضروری بات ہوئی تو میں تمہیں تھانے بلالوں گا یا خود تمہارے گھر آجاؤں گا۔"

میں نے رفیق کو فارغ کرنے کے بعد موقع پر موجود افراد سے بھی پوچھ گچھ کی لیکن کوئی خاص بات پتا نہ چل سکی۔

تھوڑی دیر بعد فوجی جوان شوکت علی بھی وہاں آگیا تو میں نے اس سے بھی دو باتیں کرلیں۔

شوکت علی کی عمر پچیس کے اریب قریب رہی ہوگی۔ وہ ایک گبرو جوان تھا۔ میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد اس سے کہا۔

"شوکت علی! مجھے پتا چلا ہے کہ جیلا کی لاش آج صبح تم نے دریافت کی ہے؟"

"میں نے نہیں...... ڈبو نے۔" وہ ذومعنی انداز میں بولا۔

میں نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔ "ڈبو کون؟"

"ڈبو میرے کتے کا نام ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"اوہ......" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تفصیلات کیا ہیں؟"

"تھانے دار صاحب! میں نے ایک بل ڈاگ پالا ہوا ہے۔" اس نے بتایا۔ "اگرچہ میرا زیادہ تر وقت پاک وطن کی سرحدوں کی حفاظت میں گزرتا ہے لیکن میں جب بھی چھٹی پر مرزا پور آتا ہوں تو ڈبو پر خاص توجہ دیتا ہوں جس میں صبح کی سیر بھی شامل ہے۔" وہ لمحے بھر کو رکا۔ ایک گہری سانس لی پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"آج صبح بھی میں ڈبو کے ساتھ دریا کی طرف جارہا تھا۔ جب میں رفیق کے کھیتوں میں سے گزرا تو ڈبو نے ایک طرف گردن اٹھا کر زور زور سے بھونکنا شروع کردیا۔ میں نے اس کی "آواز" پر توجہ دی اور اس کی رسی کو ڈھیلا کردیا پھر خود بھی اس کے ہمراہ بھاگنے لگا۔ ڈبو مجھے اس مقام پر لے گیا جہاں جیلا کی لاش پڑی تھی۔ بس، یہ ہے ساری کہانی۔"

کتا بہت حساس جانور ہے۔ اس کی سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی سننے کی حس بھی قابلِ ذکر ہے۔ ڈبو نے اپنی قوتِ شامہ اور قوتِ سامعہ کی مدد سے جیلا کی لاش کو دریافت کرلیا تھا۔ میں نے سب کو فارغ کیا اور شکیل عرف شیلا سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔

مقتول جمیل عرف جیلا کی عمر کا اندازہ میں نے بیس کے آس پاس لگایا تھا۔ شکیل عرف شیلا اپنے مقتول بھائی سے پانچ سال بڑا تھا۔ میں نے نہایت ہی مختصر مگر مناسب الفاظ میں شیلا سے، جیلا کو پیش آنے والے واقعے پر گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کیا پھر پوچھا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے کل جیلا کو شام سے پہلے گھر بھیج دیا تھا لیکن وہ گھر نہیں پہنچا اور آج صبح اس کی لاش ملی ہے۔ یہ کیا معما ہے؟"

"میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھانے دار صاحب۔" وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں، کس ذلیل انسان نے میرے بھائی کی جان لے لی۔ بھائی، بھائی کا بازو ہوتا ہے......" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ "اب میں جیلا کے بغیر کیسے جی سکوں گا......!"

اس کی نم آنکھیں اندر سے کبوتر کے خون کے مانند سرخ ہو رہی تھیں۔ یقیناً رفیق کی طرح وہ بھی ساری رات جاگتا رہا ہوگا۔ یہ لالی رت جگے ہی کی تھی۔ اس پر مستزاد چھوٹے بھائی کی حسرت ناک موت نے اسے اندر باہر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"وہ ذلیل انسان زیادہ دیر تک میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔" میں نے شکیل کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں حوصلے سے کام لینا ہوگا اور میرے ساتھ تعاون بھی کرنا ہوگا۔"

"میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں جی۔" وہ ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں میں اتر آنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولا۔ "آپ حکم کریں۔"

پتا نہیں، کیوں...... مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا لہجہ، اس کی سوچ کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اس کے الفاظ...اور چہرے کے تاثرات میں ربط نظر نہیں آتا تھا۔ شاید یہ فرطِ غم کا نتیجہ تھا۔ جیلا کی ناگہانی موت نے اسے بری طرح نڈھال کر رکھا تھا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے پچھلے روز جیلا کو شام سے پہلے گھر بھیج دیا تھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"گندم کاٹتے ہوئے اس کے بائیں ہاتھ پر درانتی چل گئی تھی جس نے جیلا کی دو انگلیوں کو بری طرح زخمی کر دیا تھا۔" شیلا وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے جلدی سے اس کے ہاتھ پر پٹی باندھی اور اسے گھر جانے کے لیے کہا۔ بس، اتنی سی بات ہے۔"

"ہاتھ زخمی ہونے والا واقعہ کل کتنے بجے پیش آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"عصر کا وقت تھا جی۔" اس نے بتایا۔ "میں نے اذان کی آواز بھی سنی تھی۔"

"تو کیا تمہارے کہنے پر جیلا گھر چلا گیا تھا؟"

"پتا نہیں جناب۔" وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ "میں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"دیکھا نہیں تھا......کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم دونوں بھائی ایک ہی کھیت میں فصل کی کٹائی نہیں کر رہے تھے؟"

"جی نہیں۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جیلا تو اسی کھیت میں گندم کاٹ رہا تھا جہاں اس کی لاش پڑی ملی ہے جبکہ میں دوسری جانب ایک اور کھیت میں تھا۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ وہ میرے کہنے پر کام چھوڑ کر گھر چلا گیا ہوگا لیکن یہ تو کوئی اور ہی قصہ نکل آیا۔"

"مثلاً ......کون سا قصہ نکل آیا؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہی......یہی کہ......وہ گھر نہیں گیا اور......" وہ لکنت زدہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور ادھر ہی کام میں لگا رہا اور...... کسی بدذات نے اسے قتل کر دیا......" بات کے اختتام پر وہ باقاعدہ ہچکیاں لینے لگا۔

میں نے چند لمحے انتظار کیا کہ اس کی حالت سنبھل جائے پھر پوچھا۔ "تم کون سے کھیت میں فصل کاٹ رہے تھے؟"

اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "وہاں......!"

مذکورہ کھیت، جائے وقوعہ سے کافی فاصلے پر تھا۔ ان دونوں کھیتوں کے بیچ چار یا پانچ کھیت آتے تھے جن میں گندم کی فصل تیار کھڑی تھی۔ یہ سارے کھیت (کم و بیش پندرہ ایکڑ اراضی) رفیق کی ملکیت تھے جس میں فصل کی کٹائی کا عمل جاری تھا۔ ایک سرے سے جیلا اور دوسرے سرے سے شیلا گندم کی کٹائی کا کام کر رہے تھے۔ جائے وقوعہ گاؤں کی مخالف والی سمت میں تھا جبکہ جس کھیت میں شیلا کٹائی کر رہا تھا، وہ گاؤں والی سمت کی ایک سائڈ پر تھا۔ شیلا نے مجھے بتایا کہ گزشتہ روز اس نے مغرب سے تھوڑی دیر پہلے اپنا کام روکا اور پھر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

"جب تم کام ختم کر کے گھر جا رہے تھے تو تم نے جیلا والے کھیت کی طرف جھانکا تھا؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔

"نہیں جی، میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرے ذہن میں یہی تھا کہ جیلا گھر جا چکا ہوگا لہٰذا میں بھی سیدھا گھر ہی چلا گیا تھا۔"

"لیکن جیلا گھر نہیں پہنچا تھا اور یہ تشویشناک بات تھی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "کیا تم نے یہ پتا کرنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں غائب ہو گیا؟"

''جی ...... میں نے پورے مرزا پور میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔ ''لیکن وہ کہیں نہیں ملا...... آہ! میرا بھائی......!''

''کیا تم جیلا کو تلاش کرتے ہوئے اپنے کھیتوں کی طرف بھی گئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جی ...... میں ادھر نہیں گیا......'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیوں ......؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

''سیدھی سی بات ہے جی ......'' میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''ادھر اس وقت کون ہوسکتا تھا۔ کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ اندھیرا ہونے سے پہلے اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں اور جیلا کو تو میں نے عصر کے وقت ہی وہاں سے گھر بھیج دیا تھا اس لیے کھیتوں میں جا کر، رات کے اندھیرے میں اسے تلاش کرنے کا خیال میرے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔''

''تمہارے خیال میں جیلا کی موت کا ذمے دار کون ہوسکتا ہے؟'' میں نے ٹھوس لہجے میں استفسار کیا۔

''مم ...... مجھے ...... کیا پتا ...... جناب ......!'' وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔ ''میں ...... اس بارے میں کچھ ...... نہیں بتا سکتا......''

''تمہیں کسی پر شک ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نن ...... نہیں جناب۔''

''دیکھو شکیل! پولیس کے کام کرنے کا اپنا ایک انداز ہے۔'' میں نے اس کی گھبراہٹ کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں تفتیش کا آغاز کرنے کے لیے کسی اشارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے باپ نے مجھے بتایا ہے کہ جیلا کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی وغیرہ نہیں تھی اور تمہیں بھی کسی پر شک نہیں ہے تو پھر تفتیش کی گاڑی آگے کیسے بڑھے گی ......'' لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک آسودہ سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تم بھی مانو گے کہ جس شخص نے بھی تمہارے بھائی کی جان لی ہے، وہ اس سے شدید نفرت کرتا تھا...... تم نے جیلا کی لاش کا معائنہ کیا ہے نا؟''

''اللہ غارت کرے اس بدبخت کو۔'' وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''پتا نہیں، ہماری خوشیوں کو کس منحوس کی نظر لگ گئی ہے......''

''مقتول کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی رشتے داری کا تنازع تھا۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا پھر شکیل سے پوچھا۔ ''کیا جیلا کا کسی سے رقم کے لین دین کا کوئی معاملہ تھا؟''

''نہیں جی۔ میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اگر ایسا کچھ تھا تو وہ جیلا ہی کو پتا ہوگا۔''

یہ تو مجھے احساس ہوگیا تھا کہ فی الحال شکیل سے کام کی کوئی بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا میں نے اسے اس تاکید کے ساتھ فارغ کردیا۔

''شکیل! تم اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ جیسے ہی تمہیں کوئی خاص بات پتا چلے مجھے فوری اطلاع کرنا۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور میں دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے تھانے واپس آگیا۔ یہ وہی وقت تھا جب سورج، بہ قول کسے، سوا نیزے پر آچکا تھا اور ہر گوشت و پوست کے جان دار کو تکا بوٹی بنانے کے موڈ میں تھا۔

☆☆☆

قتل کی کسی بھی واردات کی تفتیش میں دو چیزیں نہایت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اول، قتل کا محرک دوم آلۂ قتل ...... اور جیلا کے قتل کے سلسلے میں، ابھی تک یہ دونوں چیزیں میری دسترس سے باہر تھیں۔ میری اب تک کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں یہی بات سامنے آئی تھی کہ مقتول کی کسی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن میں یہ بات ماننے کو ہرگز تیار نہیں تھا کیونکہ جس انداز میں جیلا کی زندگی کا چراغ گل کیا گیا تھا، وہ شدید ترین ناپسندیدگی اور گہری نفرت کو ظاہر کرتا تھا اور جہاں تک آلۂ قتل کا معاملہ تھا تو میرے محتاط اندازے کے مطابق وہ کوئی آہنی سلاخ، کوئی ہتھوڑا یا کوئی بھی لوہے کی بھاری شے ہوسکتی تھی۔ جیلا کی کھوپڑی کا عقبی حصہ اتنی بے دردی سے چٹخایا گیا تھا کہ بھیجا بھی باہر جھانکنے لگا تھا۔ یہ کاری ضرب شدید طیش اور غیظ وغضب کے عالم میں ہی لگائی گئی تھی۔

میں نے اپنے ایک سادہ لباس اہلکار کو اس کام پر مامور کردیا کہ وہ مرزا پور میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ مقتول کی کسی شخص کے ساتھ کسی قسم کی کوئی دشمنی یا کم از کم ناراضی تو نہیں تھی۔ میں نے ایسے ہی ایک اور سادہ لباس اہلکار کو حویلی مراد روانہ کردیا۔ رفیق نے مجھے بتایا تھا کہ مقتول جیلا کی اپنے تایا کی بیٹی نبیلہ سے شادی ہونے والی تھی۔ مقتول کا تایا صدیق حویلی مراد نامی گاؤں میں رہتا تھا۔ اس اہلکار نے حویلی مراد میں سن گن لینا تھی کہ شاید قتل کی اس واردات کا کوئی سراغ مل جائے۔ یہ دونوں

اہلکار خاصے مستعد اور کھوج لگانے کے ماہر ثابت ہوئے تھے جبھی میں نے انہیں اس نوعیت کی ذمے داری سونپی تھی۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے ایک اہم اطلاع مجھ تک پہنچی۔ اطلاع کنندہ بھی ایک کسان ہی تھا جس کی زمین شیخوپورہ اور لائل پور کی سرحد کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ مذکورہ کسان کا نام مشتاق باجوہ تھا۔ میں نے مشتاق باجوہ کو فوراً اپنے پاس بلالیا۔

مشتاق باجوہ کی عمر چالیس سے متجاوز تھی۔ وہ ایک پستہ قامت اور فربہ اندام شخص تھا۔ میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور پوچھا۔

''باجوہ جی! کیا خبر لائے ہو؟''

''میرے کھیتوں میں ایک ہتھوڑا ملا ہے سرکار۔'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ''بس جی...... یہی بتانے آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔''

''کیسا ہتھوڑا!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کہاں ہے وہ ہتھوڑا؟''

''وہ تو ادھر میرے کھیتوں ہی میں پڑا ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں نے اسے اٹھانے یا ہاتھ لگانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ مجھے پتا چلا ہے، جیلا کو کسی ایسے اوزار سے ہلاک کیا گیا ہے اسی لیے میں نے اس ہتھوڑے کو بالکل نہیں چھیڑا اور سیدھا آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔''

''یہ تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے باجوہ۔'' میں نے سراہنے والی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خوش ہوگیا۔

میں نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ لیا اور مشتاق باجوہ کی معیت میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں مذکورہ ہتھوڑا پڑا ہوا تھا۔ دھوپ کا زور تو ٹوٹ چکا تھا تاہم فضا میں ابھی تک حدت اور تمازت موجود تھی... سورج غروب ہونے میں ابھی کم و بیش ایک گھنٹا باقی تھا۔

میں نے اکڑوں بیٹھ کر اس ہتھوڑے کا جائزہ لیا اور میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ ہتھوڑے کے سر پر یعنی اس کے آہنی حصے پر خشک خون لگا ہوا تھا اور اس جمے ہوئے خون میں مجھے چند بال بھی چپکے دکھائی دیے۔ مذکورہ ہتھوڑے کا سرا اتنا وزنی تھا کہ اس کی ایک ہی ضرب کسی بھی انسان کی کھوپڑی کو چٹخانے کے لیے کافی تھی۔ اگر جمیل عرف جیلا کو اسی ہتھوڑے کی مدد سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا تو پھر یہ بات بھی طے تھی کہ اس کے سر پر جما ہوا خون اور اس خون کے ساتھ چپکے ہوئے بال یقیناً جیلا ہی کے تھے۔

مشتاق باجوہ سے رسمی سی پوچھ گچھ کے بعد میں مذکورہ متوقع آلۂ قتل کو اپنے ساتھ لے آیا اور مشتاق باجوہ کو ہدایت کردی کہ وہ اگر کوئی بھی غیر معمولی بات دیکھے یا محسوس کرے تو فوراً مجھے اطلاع دے۔ اس نے میرے احکام پر عمل کرنے کا یقین دلایا تھا۔

مشتاق باجوہ کی اراضی شیخوپورہ اور لائل پور کی سرحد کے ساتھ لگی ہوئی تھی تاہم اس کا شمار مرزا پور یعنی شیخوپورہ ہی میں ہوتا تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا کہ دوسری جانب ضلع لائل پور کا پہلا گاؤں حویلی مراد تھا جہاں مقتول کا تایا صدیق حلوائی رہتا تھا۔ مرزا پور اور حویلی مراد میں آٹھ میل کا فاصلہ حائل تھا جس کے دو میل شیخوپورہ میں اور چھ میل لائل پور کے علاقے میں آتے تھے۔

جیلا کا قتل مرزا پور (شیخوپورہ) میں ہوا تھا اور یہ ہتھوڑا شیخوپورہ کے آخری کنارے پر مشتاق باجوہ کے کھیتوں سے ملا تھا جس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر اسی ہتھوڑے سے جیلا کو قتل کیا گیا تھا تو قاتل اپنا کام کرنے کے بعد لائل پور کی طرف گیا تھا اور راستے میں اس نے یہ ہتھوڑا مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پھینک دیا تھا۔ اس کا ایک اور بھی مطلب تھا اور وہ یہ کہ قاتل کا تعلق لائل پور کے سرحدی گاؤں حویلی مراد سے ہوسکتا تھا......!

اس خیال نے میرے اندر سنسنی کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ اگر میں درست سمت میں سوچ رہا تھا تو پھر اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی کہ جیلا کے ساتھ دشمنی حویلی مراد کی جانب سے کی نے کی تھی۔

میں نے مذکورہ خون آلود ہتھوڑے کو لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے ضلعی اسپتال بھجوادیا تاکہ اس بات کی تصدیق ہوسکے کہ اس کے سر پر پائے جانے والے بال جیلا ہی کے تھے یا کسی اور کے۔ ویسے مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میں آلۂ قتل تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اگر یہ ہتھوڑا کسی اور جگہ استعمال ہوا ہوتا تو پھر اس کے سر پر انسانی بالوں کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا اور وہ بھی خون میں چپکے ہوئے بال......!

اگرچہ مرزا پور اور حویلی مراد کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا لیکن حویلی مراد کا علاقہ میرے تھانے کی حدود میں نہیں آتا تھا کیونکہ حویلی مراد ضلع لائل پور میں تھا اور مرزا پور ضلع شیخوپورہ میں۔ میں نے آئندہ روز حویلی مراد جانے کا پروگرام ترتیب دیا اور اپنے کوارٹر میں آ گیا۔

میرے اندر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ حویلی مراد کا

دورہ کافی سودمند ثابت ہوگا۔ شاید یہ میری چھٹی حس تھی!

☆☆☆

آئندہ روز میں علی الصباح لائل پور کے لیے روانہ ہوگیا۔ اگر میں حویلی مراد جانے کے لیے کھیتوں والا راستہ اختیار کرتا تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جاتا لیکن مجھے ڈائریکٹ وہاں نہیں جانا تھا۔ اس سلسلے میں محکمہ جاتی خانہ پری بہت ضروری تھی۔ حویلی مراد ضلع لائل پور میں تھا اور یہ علاقہ میرے تھانے کی حدود میں نہیں آتا تھا لہٰذا وہاں کسی قسم کی تفتیش سے پہلے متعلقہ افراد کو اطلاع دینا ضروری تھا۔

میں پہلے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر لائل پور پہنچا۔ وہاں متعلقہ افسران کو اپنی آمد کی غرض وغایت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد میں اس تھانے میں پہنچ گیا جس کی حدود میں حویلی مراد آتا تھا۔ وہاں کا تھانہ انچارج میرا پرانا شناسا تھا۔ اس نے میرا پُرتپاک استقبال کیا اور جب میں نے اسے اپنی آمد کے بارے میں بتایا تو اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''ملک صاحب! آپ نے خوامخواہ ہیڈکوارٹر میں حاضری لگانے کی زحمت کی۔ سیدھا میرے پاس آجاتے۔ یہ تھانہ بھی آپ ہی کا ہے۔''

''آپ کی محبت اور خلوص کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ضابطے کی کارروائی بھی ضروری ہے نا۔ اگر کوئی کام طریقے سلیقے سے ہوجائے تو اس میں کیا حرج ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ملک صاحب۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''واقعی اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ چاہیں تو میرے عملے میں سے ایک دو اہلکار بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ مجھے ہر قسم کے تعاون کے لیے ہمیشہ تیار پائیں گے۔''

میرا ایک خاص آدمی سادہ لباس میں پہلے سے حویلی مراد میں موجود تھا۔ میں نے تھانہ انچارج کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، میں نے کہا۔

''آپ کے تعاون کا بہت شکریہ جناب لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ بھیڑ بھاڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت سادگی کے ساتھ مقتول کی ہونے والی سسرال سے تھوڑی پوچھ گچھ کروں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی صاحب۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کسی بھی مرحلے پر اگر میری یا میرے عملے کی مدد کی ضرورت پیش آئے تو کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں حاضر ہوں۔''

''ضرور بتاؤں گا۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور کوئی خاص بات پتا چلی تو وہ بھی آپ سے شیئر کروں گا۔''

''اس اعتماد اور بھروسے کا شکریہ ملک صاحب!'' وہ زیرِلب مسکراتے ہوئے بولا۔

تھانہ انچارج نے ٹھنڈے مشروب سے میری تواضع کی اور مجھے ایک تانگے میں بٹھا کر حویلی مراد کی جانب روانہ کردیا۔

''حویلی مراد'' کا نام چودھری مراد علی کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن اب چودھری مراد اس دنیا میں باقی نہیں تھا۔ کافی عرصہ پہلے اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان دنوں چودھری مراد کا پوتا چودھری امداد اس گاؤں کا والی وارث تھا۔ مجھے پتا چلا کہ چودھری امداد علی کے باپ چودھری شمشاد کا دو سال پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ اس کے بعد چودھری امداد علی نے اس گاؤں کی چودھراہٹ سنبھال لی تھی۔ میں چودھری امداد اور اس کی حویلی کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھتا پاچھتا سید حامد صدیق حلوائی کی دکان پر پہنچ گیا۔

مذکورہ دکان بند تھی۔ میں نے پڑوسی دکان دار سے پوچھا۔ ''صدیق نے آج دکان نہیں کھولی؟''

اس نے آنکھیں میچ کر کھولیں پھر گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کیا آپ حویلی مراد میں نئے ہو؟''

میں اس وقت سول ڈریس میں تھا۔ اگر میں پولیس کے یونیفارم میں ہوتا تو یہ دکاندار مجھے دیکھتے ہی چونک جاتا۔ میں نے اس عمر رسیدہ شخص کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں چاچا...... میں ادھر ایک دو بار ہی آیا ہوں۔''

''کہاں سے آئے ہو جوان؟'' وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

''ٹوبہ ٹیک سنگھ سے آیا ہوں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''صدیق سے میری دور کی رشتے داری ہے۔ اسی سے ملنے آیا تھا لیکن اس کی دکان بند پڑی ہے۔ لگتا ہے، مجھے اب اس کے گھر ہی جانا ہوگا۔''

''گھر جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔'' صدیق حلوائی کے پڑوسی دکاندار نے بتایا۔

''فائدہ کیوں نہیں چاچا؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے گھورا۔

اس شخص کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی تاہم وہ ساٹھا پاٹھا

کی عملی تفسیر دکھائی دیتا تھا۔ صدیق حلوائی کی دکان کے برابر میں اس نے پرچون کی دکان کھول رکھی تھی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا۔

''گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ سب لوگ ادھر مرزا پور گئے ہیں۔''

میری معلومات کے مطابق، صدیق حلوائی کی فیملی میں اس کی بیوی کنیز فاطمہ اور بیٹی نبیلہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

''چاچا! تمہارا مطلب ہے صدیق، اس کی گھر والی اور بیٹی تینوں مرزا پور گئے ہیں؟''

''جی...... میرا یہی مطلب ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اس وقت صدیق کے گھر پر تالا لگا ہوا ہے۔''

مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا سی بھی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ جیلا کے قتل کی خبر حویلی مراد پہنچ چکی تھی، ورنہ صدیق اینڈ کمپنی کا باجماعت مرزا پور چلے جانے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ اس دکاندار کا نام مجھے خیر دین معلوم ہوا تھا۔

''خیرو چاچا......'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ''یہ اچانک صدیق بیوی بچوں کے ساتھ مرزا پور کیوں چلا گیا۔ سب خیر تو ہے نا......؟''

''خیر نہیں ہے پتر۔'' وہ دکھی شکل بناتے ہوئے بولا۔ ''صدیق نے اپنی کڑی کی شادی چھوٹے بھائی کے بیٹے سے طے کر رکھی تھی۔ اس لڑکے کو کسی نے قتل کر دیا۔''

''اوہ......'' میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''تم رفیق کے چھوٹے بیٹے جمیل عرف جیلا کی بات کر رہے ہو نا؟''

''ہاں پتر......!'' اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ ''کل دن میں مرزا پور سے جیلا کے قتل کی خبر آئی تھی اور یہ لوگ کل شام سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔''

چاچا خیرو خاصا باتونی واقع ہوا تھا۔ میں نے اس کی اسی فطرت یا عادت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور بڑے دھیمے اور غیر محسوس انداز میں اسے گھیرنے لگا۔

''پچھلی دفعہ جب صدیقا میرے پاس ٹوبہ ٹیک سنگھ آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ اس سال جیسے ہی گرمیاں ختم ہوں گی، وہ نبیلہ کی شادی کر دے گا۔''

''ہاں پتر...... اس کا ارادہ تو یہی تھا مگر......'' وہ رنجیدہ ہو گیا۔ ''اب تو جیلا ہی نہیں رہا...... پھر نبیلہ کی اس سے شادی کیسے ہو گی!''

''ہائے، بے چارے صدیقا کی ایک ہی بیٹی ہے اور اس کی خوشیاں دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئیں۔'' میں نے دل شکستہ لہجے میں کہا۔

''یہ دنیا دکھوں کی نگری ہے پتر۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ''صدیقا کے پہلے دو بیٹے دو سال اور پانچ سال کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ یہ نبیلہ امجد اور ماجد کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ صدیقا کا خیال تھا کہ وہ نبیلہ کی شادی اپنے چھوٹے بھائی رفیق کے بڑے بیٹے شکیل سے کرے گا۔ دونوں جانب رشتے کی بات چلی لیکن پھر اچانک سب کچھ بدل گیا......'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''سب کچھ کیسے بدل گیا؟'' میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''پتر! تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔'' وہ اچانک مجھ سے مستفسر ہوا۔ ''اور یہ بھی بتاؤ، ادھر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تم کرتے کیا ہو؟''

''چاچا! میرا نام ملک جواد ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور میں زمیں دارا کرتا ہوں۔ اللہ نے چند کلے (ایکڑ) زمین دے رکھی ہے۔ بس عزت شرم سے گزارہ ہو رہا ہے۔''

''ملک جواد......!'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ''صدیقا نے کبھی تمہارا ذکر نہیں کیا۔''

''ہماری بہت دور کی رشتے داری ہے چاچا اور ملنا جلنا بھی بہت کم ہوتا ہے۔'' میں نے بات بناتے ہوئے کہا پھر اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ ''چاچا! تم بتا رہے تھے کہ صدیقا نبیلہ کی شادی شکیل عرف شیلا سے کرنا چاہتا تھا پھر سب کچھ بدل گیا......؟''

''ہاں پتر!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''رشتے کی بات تقریباً طے ہونے ہی والی تھی کہ جیلا نے ضد پکڑ لی۔''

''کیسی ضد؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ نبیلہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔'' خیرو چاچا نے بتایا۔ ''صدیقا کو جب اس بات کا پتا چلا تو اس نے زیادہ مزاحمت نہیں کی۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے دونوں بیٹوں سے بہت محبت کرتا ہے اور انہیں اپنی سگی اولاد کی طرح سمجھتا ہے۔ اس نے رفیق سے کہا۔

''فیکا! میرے لیے تمہارے دونوں بیٹے برابر ہیں۔ نبیلہ کی شادی شیلا سے ہو یا جیلا سے، وہ تمہارے گھر ہی میں جائے گی۔ شیلا کے بارے میں میرا خیال اس لیے تھا کہ وہ بڑا ہے، اصولی طور پر پہلے بڑے بیٹے کی شادی ہونا چاہیے۔''

''ہاں صدیق! کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو۔'' رفیق نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن جیلا ضد کر رہا ہے کہ وہ نبیلہ سے شادی کرے گا۔''

''ٹھیک ہے رفیق! ہم جیلا کی ضد پوری کر دیتے ہیں۔'' صدیق نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''ہمیں اپنی اولاد کی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔''

''پتر جواد......!'' اپنی بات کی وضاحت کرنے کے بعد خیرو چاچا مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''میں سمجھتا ہوں، صدیقا کا چونکہ کوئی بیٹا نہیں تھا اس لیے اسے جیلا کی خواہش کی کچھ زیادہ ہی پروا تھی۔ خیر...... دونوں طرف کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا لہٰذا نبیلہ کا رشتہ جیلا سے طے ہو گیا اور صدیق نے سکھ کی سانس لی کہ بیٹی ٹھکانے لگی ورنہ وہ خاصا پریشان رہنے لگا تھا۔''

آخری جملہ خیرو چاچا نے بڑے معنی خیز انداز میں ادا کیا تھا لہٰذا میں نے سوال کرنے میں ذرا دیر نہ کی۔

''صدیقا کس بات کے لیے پریشان تھا چاچا؟''

''پتر! تم کافی سمجھدار اور سیانے ہو۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''جس گھر میں جوان لڑکی ہوتی ہے وہاں سب کی نظریں لگی رہتی ہیں۔ کوئی بھی رشتہ بھیج دے، آپ اس کے سر میں ڈنڈا تھوڑی مار سکتے ہیں!''

''ٹھیک کہتے ہو چاچا۔'' میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا نبیلہ کے اور بھی رشتے آئے ہوئے تھے؟''

''ہاں...... یہاں حویلی مراد میں بھی بعض لوگ نبیلہ کے رشتے میں دلچسپی لے رہے تھے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''لیکن صدیقا چونکہ نبیلہ کو اپنے بھائی کے گھر میں بیاہنا چاہتا تھا اس لیے وہ سب کو منع ہی کرتا رہا۔ وہ اس ''انکار'' والے معاملات سے خاصا پریشان رہنے لگا تھا کیونکہ بعض لوگ انکار سن کر ناراض بھی ہو جاتے تھے۔ کمالے سے تو اس کی اچھی خاصی منہ ماری بھی ہو گئی تھی۔''

''کون کمالا؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کمال دین لوہار پتر۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ادھر حویلی مراد میں ایک ہی لوہار ہے...... کمالا۔ کمالا اپنے بیٹے جما کی شادی نبیلہ سے کرنا چاہتا تھا کیونکہ جما، نبیلہ پر عاشق ہو گیا تھا مگر صدیقا نے چٹا انکار کر دیا اور...... اچھا ہی کیا۔''

میرے اندر سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی اہم بات سامنے آنے والی ہے۔ میں خیرو کے نزدیک کھسک آیا اور پوچھا۔

''چاچا! تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کمالا کے بیٹے جما میں کوئی عیب ہو......؟''

''اللہ تمہارا بھلا کرے۔'' وہ آنکھیں سکوڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جما میں کوئی ایک نقص ہو تو بتاؤں نا۔ اس کی ایک آنکھ کا چراغ گل ہے اسی لیے سب اسے کانا جما کہتے ہیں۔ آج تک کسی نے اسے سیدھے نام ''جمال دین'' سے نہیں پکارا۔ پھر وہ کچھ کرتا کراتا بھی نہیں۔ اپنے بوڑھے باپ کی مدد کرنے کے بجائے وہ سارا سارا دن آوارہ گردی میں گزار دیتا ہے۔ ایسے لفنگے آوارہ سے صدیقا کیسے اپنی پھول ایسی بیٹی کی شادی کر دیتا۔''

''ٹھیک کہتے ہو چاچا! ماں باپ کو اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''صدیقا نے اس رشتے سے انکار کر دیا، یہ اس کا حق تھا، پھر منہ ماری کیسی......؟''

''کمالا تو انکار سن کر خاموش ہو گیا تھا۔'' خیرو نے بتایا۔ ''مگر کانا جما اس پر بہت تلملایا تھا۔ اس نے ادھر ادھر ایسی باتیں بھی کیں جن سے دھمکی جھلکتی تھی۔ مثلاً اس نے کسی سے کہا ...... میں لوہار کی اولاد ہوں۔ میرا ہاتھ کسی ہتھوڑے سے کم نہیں۔ ایک ہاتھ بھی پڑ گیا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔''

''اوہ...... واقعی......'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''جما کے اس جملے میں تو خطرناک دھمکی پوشیدہ ہے۔''

''میرا خیال ہے، یہ سب اس کی جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا۔'' خیرو دین نے کہا۔ ''جما کی ایسی باتیں سن کر ہی صدیقا نے کمالا لوہار سے بات کی تھی۔ تھوڑی گرما گرمی ہوئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا۔''

خیرو معاملے کے ''رفع دفع'' ہونے کی بات کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ میں نے جیلا کی لاش کا بہ غور جائزہ لیا تھا۔ اس کے سر کے عقبی حصے میں کسی بھاری آہنی شے سے ضرب لگا کر کھوپڑی کو چٹخایا گیا تھا اور پھر مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں سے ایک خون آلود ہتھوڑا بھی برآمد ہوا تھا جس پر جمے ہوئے خون میں انسانی بال بھی چپکے ہوئے تھے۔ اغلب امکان یہی تھا کہ جیلا کو اسی ہتھوڑے کی مدد سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور اب...... خیرو چاچا مجھے کانا جما کے نادر خیالات سے آگاہ کر رہا تھا...... میں لوہار کی اولاد ہوں۔ میرا ہاتھ کسی ہتھوڑے سے کم نہیں۔ ایک ہاتھ بھی پڑ گیا تو ہوش

ٹھکانے آجائیں گے......!

میں نے کانا جما کے نام پر دائرہ لگایا لیکن خیرو چاچا پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میری اندرونی کیفیت کیا ہے۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''چاچا! تم نے سن رکھا ہوگا...... جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں اور جو بھونکتے ہیں، وہ کاٹتے نہیں۔ بس، جما کی وہ بات بھی ایسی ہی ہوگی۔''

''ہاں پتر۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''مٹی پاؤ اس کمینے کی باتوں پر......''

اسی لمحے مجھے اس کانسٹیبل کی جھلک نظر آئی جسے میں نے گزشتہ روز حویلی مراد روانہ کیا تھا۔ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر کھڑا تھا لیکن ظاہر ایسا ہی کر رہا تھا کہ اسے خیر دین سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کانسٹیبل مجھے دیکھ کر ہی ادھر آیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے میں نے محسوس کرلیا کہ اس کے پاس کوئی اہم خبر ہے۔ میں نے خیر دین کو نمٹانے کی غرض سے کہا۔

''ٹھیک ہے چاچا! میں اب چلتا ہوں۔ صدیقا واپس آئے تو اسے میرا اسلام ضرور دینا۔ میں اگلے ہفتے دوبارہ چکر لگاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے پتر...... میں صدیقا کو تمہارے بارے میں بتادوں گا۔'' اس نے کہا۔

میں اسے سلام کرکے گلی میں ایک جانب چل پڑا۔ میں نے کانسٹیبل کو کسی قسم کا کوئی اشارہ نہیں کیا تھا۔ میں خیر دین پر اس حوالے سے کوئی تاثر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کانسٹیبل بھی میرے پیچھے آئے گا...... اور ایسا ہی ہوا۔

میں گلی میں چند قدم ہی چلا تھا کہ کانسٹیبل باسط علی میرے قریب آگیا۔ میری طرح وہ بھی سادہ لباس میں تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

''ملک صاحب! آپ یہاں......؟''

''ہاں...... میں ذرا صدیق کو چیک کرنے آیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مگر وہ لوگ تو کل شام سے ادھر مرزا پور گئے ہوئے ہیں۔''

''جی ملک صاحب۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''جیلا کی موت کی خبر جیسے ہی یہاں پہنچی، یہ لوگ روانہ ہوگئے تھے۔''

''تم نے اب تک کیا ریسرچ کی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جناب! مجھے پتا چلا ہے کہ جب جیلا پچھلی مرتبہ حویلی مراد آیا تھا تو اس کا جیرا سے اچھا خاصا جھگڑا ہوگیا تھا۔'' باسط علی نے بتایا۔ ''اور جیرا نے جیلا کو کافی پھینٹی شینٹی بھی لگائی تھی۔''

''یہ جیرا کون ہے؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''ادھر حویلی مراد ہی کا وسنیک ہے جناب۔'' کانسٹیبل نے بتایا۔ ''اس کا نام تو نذیر ہے مگر پورے گاؤں میں وہ جیرا کے نام سے مشہور ہے۔ تانگا چلاتا ہے۔ لاری اڈے سے سواریوں کو حویلی مراد تک لے کر آتا ہے۔ کافی اکھڑ مزاج اور ہاتھ چھٹ ہے۔''

''اس کا سارا اکھڑپن تو میں ناک کے راستے نکال دوں گا۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بتاؤ، جیرا سے جیلا کا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟''

''یہ معلوم نہیں ہوسکا ملک صاحب۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''میں نے کئی لوگوں سے اس بارے میں پوچھا ہے مگر کسی نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ جیرا کو پھڈا کرنے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو ہواؤں سے بھی جھگڑا کرلیتا ہے۔''

''اس جیرا بلیڈ سے تو ملاقات کرنا ہی پڑے گی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ ''یہ کتنا عرصہ پہلے کا واقعہ ہے جب جیرا اور جیلا میں مار پیٹ ہوئی تھی؟''

''لگ بھگ دو ماہ پہلے جناب۔'' باسط علی نے جواب دیا۔

ہم چلتے ہوئے باتیں بھی کرتے جارہے تھے کہ میں نے سامنے سے دو پولیس اہلکاروں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ سیدھے ہماری ہی طرف آرہے تھے۔ پاس آکر ان دونوں نے مجھے سیلوٹ کیا پھر ایک نے کہا۔

''ملک صاحب! ہمیں انچارج صاحب نے بھیجا ہے......''

''کیوں...... سب خیریت تو ہے نا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے باری باری ان کی طرف دیکھا۔

''جی خیریت ہے۔'' دوسرے نے جواب دیا۔ ''ہم آپ کے کسی کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ آپ کو جو بھی تفتیش کرنا ہے وہ ضرور کریں۔ انچارج صاحب نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کے قریب رہیں اور کسی سلسلے میں آپ کو اگر ہماری مدد کی ضرورت ہو تو ہم آپ کا حکم بجالائیں۔''

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ انچارج نے اپنے دو اہلکاروں کو مجھ پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ پوچھ کچھ

کے لیے مجھے فری ہینڈ دے چکا تھا لیکن حویلی مراد چونکہ اس کے تھانے کی حدود میں آتا تھا لہٰذا وہ باخبر رہنا چاہتا تھا کہ کسی اور علاقے کا تھانے دار اس کے تھانے کی حدود میں کس قسم کی تفتیش کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے انچارج کا یہ اقدام بالکل برا نہیں لگا۔ یہ اس کا حق تھا اور فرض شناسی کا حصہ بھی۔

''ٹھیک ہے، تم لوگ ہمارے ساتھ ہی رہو۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''مجھے جب بھی تم لوگوں کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی، میں بتادوں گا۔ ویسے مجھے اپنا ایک بندہ یہاں مل گیا ہے......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر باسط علی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بندہ مرزا پور کا رہنے والا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ اب یہ میرے ساتھ ہی واپس جائے گا۔''

انہوں نے باری باری تنقیدی نگاہوں سے باسط علی کی طرف دیکھا لیکن کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں نے ایک سے پوچھا۔

''کانا جما کس طرف رہتا ہے؟''

''جما جج نال......'' اس نے زیرِلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ کمال دین لوہار کا بیٹا ہے جی۔ اس کا گھر ادھر مسجد کے ساتھ ہی ہے۔''

''ہوں......'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''یہ جما جج نال کی کیا کہانی ہے؟''

''یہ اس کا تکیہ کلام ہے ملک صاحب۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ اکثر یہ جملہ دہراتا رہتا ہے۔''

''میں نے سنا ہے، وہ غصے کا بہت تیز ہے۔''

''بس جناب ارگی لوگوں میں کچھ نہ کچھ مسئلہ تو ہوتا ہی ہے نا۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''جما بھی بس ایسا ہی ہے۔''

''رگی'' سے اس کی مراد تھی ''کانا'' یعنی ایسا شخص جس کے اندر کوئی عیب موجود ہو...... جس کی کوئی رگ ٹیڑھی ہو۔

''اور جیرا کوچوان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ بھی ادھر حویلی مراد ہی میں رہتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میں نے سنا ہے، جیرا کا دو ماہ پہلے مقتول جیلا کے ساتھ کوئی پھڈا ہو گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ہو سکتا ہے، ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو لیکن ہمیں اس کی خبر نہیں۔'' وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہمارے پاس جب تک کسی کی شکایت نہیں آتی، ہم کوئی کارروائی نہیں کرتے۔''

''اور جب شکایت آ جاتی ہے تو......؟'' میں نے رک کر سوالیہ نظر سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''تو ظاہر ہے جی...... پھر تو ایکشن لینا ہی پڑتا ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''فریادی کی شکایت دور کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔''

''بس تو پھر تم دونوں ایکشن کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''سمجھ لو، میں شکایت کر رہا ہوں۔''

ان دونوں نے الجھن زدہ انداز میں پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگے۔ ایک نے پوچھا۔

''کیسی شکایت ملک صاحب؟''

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے تسلی بخش لہجے میں کہا۔ ''شکایت بہت سادہ سی ہے۔ میں یہاں جمیل عرف جیلا آف مرزا پور کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں اور مجھے شک ہے کہ اس معاملے میں جما یا جیرا کا کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''اوہ......'' اس نے گہری سانس خارج کی پھر مستفسر ہوا۔ ''اس سلسلے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ ہمیں جیرا اور جما کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''

''ان دونوں کے ساتھ جو بھی کرنا ہے، وہ میں خود کر لوں گا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم ان دونوں کو پکڑ کر تھانے لے آؤ۔ میں تمہارے انچارج صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔''

''جی ٹھیک ہے ملک صاحب۔'' کہنے کے بعد دیگرے انہوں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

تھانے کی جانب سفر کے دوران باسط علی نے مجھ سے پوچھا۔ ''ملک صاحب! جیرا والا معاملہ تو میں نے آپ کو بتایا ہے۔ یہ جما کا کیا قصہ ہے؟''

''بڑا دلچسپ اور اہم قصہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جما، مقتول کی منگیتر نبیلہ پر عاشق ہو گیا تھا اور اس نے نبیلہ کا رشتہ بھی بھیجا تھا لیکن ادھر سے چٹا انکار ہو گیا جس پر یہ بہت تلملایا تھا اور مجھے پتا چلا ہے کہ اس نے کچھ الٹی سیدھی باتیں بھی کی تھیں جس سے خطرناک دھمکی کی جھلک نظر آتی تھی۔ ابھی تک میں اس کیس پر اپنی گرفت مضبوط نہیں کر سکا ہوں لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب۔'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔

ہم تھوڑی دیر کے بعد تھانے پہنچ گئے۔ میں نے تھانہ

انچارج کو مختصر الفاظ میں صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر کہا۔ ''میں جیرا اور جما کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔''

اس نے گہری نظر سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''ملک صاحب! کیا ان بندوں سے یہیں پر پوچھ کچھ نہیں ہوسکتی؟''

''ہو تو سکتی ہے لیکن قتل کی واردات چونکہ میرے تھانے کی حدود میں ہوئی ہے لہٰذا میں ان مشکوک افراد سے تفتیش بھی اپنے تھانے ہی میں کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ ''جیسی آپ کی مرضی ملک صاحب۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ انہیں اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے علاقے کے بندوں کے ساتھ میرے تھانے میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔'' میں نے اطمینان دلانے والے انداز میں کہا۔ ''یہ دونوں صحیح سلامت آپ کو واپس مل جائیں گے۔''

''او...... نہ جی...... فکر والی کوئی بات نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اگر ان دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا مقتول والے معاملے سے کوئی کنکشن ملتا ہے تو آپ ان کی ہڈیوں کا سرمہ بھی بنا سکتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے، ہڈیوں تک جانے کی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''گوشت اور پوست ہی سے کام چل جائے گا۔''

وہ پُرمعنی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ آگئی۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق، مقتول جیلا کی موت انیس مئی کو عصر اور مغرب کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ موت کا سبب سر میں لگنے والی وہ کاری ضرب تھی جس نے مقتول کی کھوپڑی کا عقبی حصہ بری طرح چٹخا دیا تھا۔ مقتول کے سر پر یہ وار اس کی بے خبری میں کیا گیا تھا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے ساتھ ہی کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ بھی منسلک تھی جس کے مطابق، اس کے معدے سے کسی نشہ آور دوا کے آثار ملے تھے۔ یا تو مقتول کسی نشے کا عادی تھا اور یا پھر کھانے کے ساتھ کوئی نشہ آور شے اس کے معدے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ یہ ایک اہم اطلاع تھی۔

مشتاق باجوہ کے کھیتوں سے ملنے والا ہتھوڑا بھی میں نے تجزیے کے لیے لیبارٹری بھجوا دیا تھا۔ اس کے ٹیسٹ کی رپورٹ بھی آگئی تھی۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق، اس ہتھوڑے پر جما ہوا خون اور اس خون میں چپکے ہوئے بال مقتول جیلا ہی کے تھے لہٰذا اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی کہ جمیل عرف جیلا کو اسی ہتھوڑے کی مدد سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔

آلۂ قتل میرے ہاتھ لگ چکا تھا۔ اب قتل کے محرک تک پہنچنا باقی تھا۔ اس کے بعد قاتل کی گردن میری گرفت میں ہوتی۔ گزشتہ روز میں حویلی مراد سے جیرا کوچوان اور جما لوہار کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ ہم شام کے وقت تھانے پہنچے تھے لہٰذا میں انہیں حوالدار کے سپرد کر کے اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا۔ یہ دونوں ایسے افراد تھے جن سے پوچھ کچھ کافی نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی تھی۔

میں نے ضروری کارروائی کے بعد جیلا کی پوسٹ مارٹم شدہ لاش رفیق کے گھر بھجوادی اور حوالدار کو اپنے پاس بلا لیا۔

''ہاں فرزند علی!'' حوالدار میرے پاس آیا تو میں نے پوچھا۔ ''حوالاتیوں نے زبان کھولی یا کوئی اور فارمولا آزمانا پڑے گا؟''

''ملک صاحب! شرافت کا زمانہ کہاں ہے۔'' حوالدار نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ تھوڑی سختی کی اجازت دیں تو ان کے بدن کا ایک ایک جوڑ بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ابھی تک آپ کے حکم پر میں نے بہت ہلکا ہاتھ رکھا ہوا ہے اسی لیے وہ کچھ قبولنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔''

''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں فری ہینڈ دے دوں گا۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''فی الحال تم انہیں میرے پاس لے آؤ مگر باری باری......''

''جی ملک صاحب۔'' اس نے فرمانبرداری سے گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''پہلے کس کو لاؤں جناب؟''

''جمال دین عرف جما کو۔'' میں نے کہا۔

''اوکے سر!'' یہ کہتے ہوئے فرزند علی میرے کمرے سے نکل گیا۔

ایک منٹ کے بعد جمال دین عرف جما میرے سامنے حاضر تھا۔ اس کی عمر تیس کے قریب رہی ہوگی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا۔ اس نے چہرے پر ہلکی سی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی اور ایک آنکھ کا چراغ بھی گل تھا۔ اکلوتی آنکھ اور چہرے کے تاثرات میں مکاری اور عیاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے میرے پاس

آتے ہی فریادی لہجے میں کہا۔

"تھانے دار صاحب! میرے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی ہے۔ آپ کے بندے نے مجھے ساری رات جگایا ہے۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

"قصور تمہارا یہ ہے کہ تم جما جانج نال ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تمہاری اپنی جنج کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"میں تو چاہتا ہوں جی کہ میری بھی شادی ہو اور میری بھی جنج چڑھے مگر کچھ ہوتا ہی نہیں۔" وہ مسکین سی صورت بناتے ہوئے بولا۔ "اوپر سے یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ مجھے اور جیرا کو کیوں پکڑ لائے ہیں۔"

"تم جیرا کی نہیں، صرف اپنی فکر کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور تمہیں میں اس لیے پکڑ کر لایا ہوں تاکہ تمہاری شادی کرا سکوں۔ پھر لوگ تمہاری جنج میں شامل ہو سکیں......"

اس نے الجھن اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات سے مجھے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہیں بولا۔ میں نے کہا۔

"جما! تمہاری جنج چڑھنے میں تو ابھی تھوڑا وقت باقی ہے۔ اس سے پہلے تمہیں ایک بے گناہ کی لاش کو کندھا دینا ہوگا۔"

"آپ...... جیلا کی بات کر رہے ہیں......" وہ ایک آنکھ سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن اس کے جنازے سے میرا کیا تعلق؟"

"وہی تعلق جو ایک لوہار کا ہتھوڑے سے ہوتا ہے!" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یا جو تعلق ایک عاشقِ نامراد کا اپنے رقیبِ روسیاہ سے ہوتا ہے۔"

"مم...... میں کچھ سمجھا نہیں جناب۔" وہ فکرمند لہجے میں بولا۔

"حوالدار کا ایک ہاتھ پڑ گیا تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا جما۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "فرزند علی لوہار تو نہیں مگر اس کا ہاتھ باوان (بڑا ہتھوڑا) سے بھی زیادہ خطرناک ہے......!"

"نا نہیں جناب! آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ کبھی مجھے اور کبھی حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے حوالدار سے کہا کہ وہ چوبی الماری میں سے آلۂ قتل نکال کر لائے۔ فرزند علی نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کر دی۔ آلۂ قتل میری میز پر سج گیا تو میں نے مذکورہ

## سنہری اقوال

☆ غصے کی حالت میں انسان حق پر قائم نہیں رہ سکتا۔

☆ تارے آسمان کی زینت ہیں اور تعلیم یافتہ انسان زمین کا زیور۔

☆ کردار، اخلاق، جرأت اور استقلال یہ وہ چار ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کی عمارت کھڑی ہے۔

☆ تین چیزیں آپس میں محبت کو فروغ دیتی ہیں۔ ایک سلام کرنا، دوسرے مجلس میں دوسروں کے لیے جگہ بنانا، تیسرے لوگوں کو اچھے نام سے پکارنا۔

☆ غصے کو پی جانے سے معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ جو شخص غصہ پی جائے اور معاف نہ کرے تو عین ممکن ہے کہ اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جائے، جو دل کے لیے ایک بڑی بیماری ہے۔

☆ بُرے آدمی اچھی چیزوں کو چھوڑ کر ہر چیز میں بُرائی تلاش کرتے ہیں جس طرح مکھی خوبصورت چیزوں کو چھوڑ کر صرف زخم پر بیٹھتی ہے۔

☆ جو گناہ کر کے اترائے، اسے شیطان سمجھو۔

☆ نیک دل انسان دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے سے نہیں چوکتا۔ صندل اس کلہاڑے کا منہ بھی خوشبودار کر دیتا ہے جو اسے کاٹتا ہے۔

☆ ظالم سوار کو اس کا گھوڑا گرا دیتا ہے۔

☆ بلند حوصلہ انسان یقیناً اپنی منزل پالیتا ہے۔

انتخاب: ریاض بٹ، حسن ابدال

## محل اور تربوز

ایک غریب آدمی نے تربوز خریدا اور گھر آ کر جب اسے کاٹا تو اس میں سے جن برآمد ہوا اور بولا۔ "کیا حکم ہے میرے آقا۔"

غریب آدمی خوش ہو کر بولا۔ "تم مجھے ایک عالی شان محل بنا دو۔" اس کی فرمائش سن کر جن غصے سے بولا۔ "پاگل ہو گئے ہو کیا۔ ارے بے وقوف اگر میں محل بنا سکتا تو کیا خود تربوز میں رہتا؟"

مرسلہ: جاوید اختر رانا، پاک پتن شریف

ہتھوڑے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جما سے سوال کیا۔
"اس ہتھوڑے کو پہچانتے ہو؟"
"جی...... نہیں......" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"
"جھوٹ تو نہیں بول رہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔
"نہیں جی۔" اس نے ایک مرتبہ پھر نفی میں گردن جھٹکی۔ "آپ مجھ سے قسم لے لیں جناب۔ میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔" پھر وہ مجھ سے مستفسر ہوا۔ "اس ہتھوڑے میں کیا خاص بات ہے؟"
"یہ دیکھو......" میں نے ہتھوڑے کے آہنی سر کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ خون اور خون میں چپکے ہوئے بال جمیل اور عرف جیلا کے ہیں۔ اس ہتھوڑے کی مدد سے دو دن پہلے جیلا کو قتل کیا گیا ہے۔"
"لل...... لیکن......" وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔
"آپ مجھے یہ ہتھوڑا کیوں دکھا رہے ہیں؟"
"اس لیے کہ جیلا کی موت میں تمہارا ہاتھ ہے۔" میں نے اس پر دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے اس ہتھوڑے سے اتوار کی شام جیلا کے سر میں ایک خوفناک ضرب لگا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا پھر اس ہتھوڑے کو مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پھینک کر حویلی مراد چلے گئے۔"
"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھانے دار صاحب۔" وہ روہانسی آواز میں بولا۔ "آپ خوامخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔"
"اوئے الزام کی اولاد۔" پیچھے کھڑے حوالدار نے اس کی گردن پر دو ہنٹر رسید کرتے ہوئے کہا۔ "ملک صاحب کے سوالات کے سیدھے سیدھے جواب دے ورنہ وہ حشر کروں گا کہ آنے والی سات نسلیں دونوں آنکھوں سے محروم پیدا ہوں گی۔"
"دیکھ لیں تھانے دار صاحب! آپ کا حوالدار کیسے مجھ پر ظلم کر رہا ہے۔" وہ فریادی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ پوری رات بھی اسی قسم کی دھمکیاں دیتا رہا ہے۔"
"ابھی میں نے تمہیں صرف دھمکیاں ہی دی ہیں، ایک آنکھ والے سوکھے سڑے جن۔" حوالدار نے قہرناک نظر سے اسے گھورا۔ "اگر میں نے اپنی دھمکیوں پر عمل کیا تو تمہارا حشر نشر ہو جائے گا۔"
"اور پھر تم کسی سے یہ کہنے کے قابل نہیں رہو گے......" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "...... میں لوہار کی اولاد ہوں۔ میرا ہاتھ کسی ہتھوڑے سے کم نہیں۔ ایک ہاتھ بھی پڑ گیا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے!"
وہ متوحش نظر سے مجھے تکنے لگا۔ "یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟"
"اسی شخص نے......" میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "جس نے تمہیں جیلا کا قتل کرتے دیکھا تھا۔"
"یہ...... یہ آپ...... کیا کہہ رہے ہیں تھانے دار صاحب۔" وہ رونی صورت بنا کر بولا۔ "میں نے جیلا کو قتل نہیں کیا۔ کسی نے آپ کو میرے خلاف ورغلا دیا ہے۔ میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔"
"قسم کھانے یا آنسو بہانے سے تمہارا کوئی بھلا نہیں ہونے والا جما جج ناں!" میں نے کٹیلے لہجے میں کہا۔ "تم قانون کے شکنجے میں پھنس چکے ہو۔"
"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے جناب۔" وہ بے بسی سے گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ "میرا جیلا کی موت سے کوئی لینا دینا نہیں۔"
"کیا یہ سچ ہے کہ تمہیں صدیقا حلوائی کی بیٹی نبیلہ سے عشق ہو گیا تھا؟" میں نے اس کی وضاحت کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"جی یہ سچ ہے۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "نبیلہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"
"تم نے نبیلہ کے لیے اپنا رشتہ بھی بھیجا تھا؟" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن صدیقا حلوائی نے اس رشتے سے چٹا انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد تم نے اس کے خلاف الٹی سیدھی بکواس بھی کی تھی اور جیلا کو اپنا دشمن سمجھنے لگے تھے کیونکہ نبیلہ کی شادی جیلا سے ہونے جا رہی تھی اسی لیے تمہیں جیلا سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی پھر......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔
"پھر تم نے نفرت کے اسی جذبے سے مغلوب ہو کر جیلا کو اپنے راستے سے ہٹا دیا...... ہیں نا؟"
"نہیں جی! ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ میں جیلا کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن میں نے اس کی جان نہیں لی۔ آپ کو میری بات کا یقین آئے یا نہ آئے مگر سچ یہی ہے۔"
اس کے ٹوٹے ہوئے لہجے سے مجھے راست گوئی کا سراغ ملا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان لمحات میں وہ غلط

پانی سے کام نہ لے رہا ہو۔ میں چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نظر سے اسے گھورتا رہا پھر کہا۔

"جما! میں تم سے آخری سوال کر رہا ہوں۔ سچ بول کر تم اپنی جان بچا سکتے ہو اور اگر غلط بیانی کی تو سیدھے جیل جاؤ گے اور ممکن ہے جیلا کے قتل کے سلسلے میں تمہیں پھانسی بھی ہو جائے......!"

"تھانے دار صاحب!" وہ قدرے سنبھلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں نے اب تک آپ سے ایک بھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ جو بھی سوال کریں گے، میں اس کا بالکل سچا اور کھرا جواب دوں گا۔ آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "انیس مئی بروز اتوار، جیٹھ کی پانچ تاریخ کو عصر اور مغرب کے درمیان تم کہاں تھے؟"

"میں ادھر حویلی مراد ہی میں تھا جناب۔"

"حویلی مراد میں کس جگہ پر تھے؟" میں نے پوچھا۔ "اور اس وقت کیا کرتے پھر رہے تھے؟"

"میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔" اس نے بتایا۔ "اور ہم لوگ تاش کھیل رہے تھے...... منگ پتا!"

"منگ پتا......" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "سوکھا ہی یا کچھ لگا کر؟"

"نہیں جناب۔" وہ بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہم پیسوں کی نہیں، بس کھانے پینے کی شرط لگا کر منگ پتا کھیلتے ہیں۔"

"منگ پتا" تاش کا ایک ایسا گیم ہے جو شرط لگا کر کھیلا جاتا ہے۔ یہ شرط پیسوں کی بھی ہوسکتی ہے اور کسی دوسری چیز کی بھی۔ میں نے جما سے پوچھا۔

"اس روز تم لوگوں نے کھانے پینے کی کس چیز کی شرط لگا رکھی تھی؟"

"ہندوانوں کی۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم نے چار ہندوانے (تربوز) لیے اور دریا کی طرف چل پڑے۔ ہندوانوں کو ہم نے ایک تھیلے میں ڈال کر راوی میں پھینک دیا تاکہ اچھی طرح ٹھنڈے ہو جائیں۔ اس تھیلے کو ایک رسی کی مدد سے درخت کے ساتھ باندھ دیا تھا پھر ہم درختوں کے نیچے بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ جب چند بازیوں کے بعد یہ فیصلہ ہو گیا کہ آج کے ہندوانوں کے پیسے کون دے گا تو پھر ہم راوی میں کود کر کنارے کنارے نہانے لگے۔ شام سے تھوڑی دیر پہلے ہم نے دریا سے وہ ہندوانے نکال کر کھائے اور پھر گاؤں کی طرف چلے گئے تھے۔ جب ہم اپنے گھروں کو پہنچے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔"

"مغرب کی اذان کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ لگ بھگ سات بجے واپس آئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

انیس مئی کو شیخوپورہ اور لائل پور کے آسمان پر غروب آفتاب کا وقت چھ بج کر ستاون منٹ تھا۔ عموماً غروب آفتاب کے دو چار منٹ بعد ہی مغرب کی اذان ہوا کرتی ہے۔

جما نے جواب دیا۔ "جناب! میں ٹائم کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے، سات ہی بجے ہوں۔"

"اور تم لوگ کتنے بجے ہندوانوں کے ساتھ دریا کی طرف گئے تھے؟"

"کوئی تین، ساڑھے تین بجے جناب۔" اس نے بتایا۔

اگر وہ لوگ واقعی ساڑھے تین بجے سے شام سات بجے تک حویلی مراد میں موجود تھے تو پھر جما کا جیلا کے قتل میں کوئی ہاتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"وقوعہ کے روز تمہارے ساتھ اور کون کون راوی پر نہانے، ہندوانے کھانے اور منگ پتا کھیلنے گیا تھا؟"

"ہم چار دوست تھے جناب۔" اس نے بتایا۔ "ایک میں اور باقی تین قادر، ناصر اور حفیظ تھے۔"

"کیا قادر، ناصر اور حفیظ کا تعلق بھی حویلی مراد ہی سے ہے؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تم یہ نہیں سمجھنا کہ میں آنکھیں بند کر کے تمہاری کہانی پر یقین کر لوں گا۔" میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں ابھی ایک بندے کو حویلی مراد روانہ کر رہا ہوں۔ وہ وہاں جا کر قادر، ناصر اور حفیظ سے ملاقات کرے گا۔ اگر ان تینوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ تم وقوعہ کے روز سہ پہر ساڑھے تین بجے سے لے کر شام سات بجے تک ان کے ساتھ تھے اور اس دوران میں تم ایک لمحے کے لیے بھی ادھر ادھر نہیں ہوئے تو پھر میں تمہاری بات کا یقین کر لوں گا اور اس کے بعد تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت ہو گی۔"

"آپ ضرور اپنے بندے کو حویلی مراد بھیجیں جی۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "اللہ کے حکم سے آپ کا شک دور ہو جائے گا۔"

میں نے جما کو حوالات میں بھیج کر جیرا کوچوان کو اپنے پاس بلا لیا۔ جما کو میں نے خالی خولی دھمکی نہیں دی تھی بلکہ اسی لمحے میں نے خصوصی ہدایات کے ساتھ باسط علی کو دوبارہ

حویلی مراد روانہ کر دیا تھا تا کہ وہ جما کی اسٹوری کی تصدیق یا تردید کر سکے۔

جیرا کوجوان گٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔ اس کی عمر پچیس کے اریب قریب تھی۔ اس کی رنگت گندمی تھی اور وہ ہاتھ پاؤں کا خاصا مضبوط دکھائی دیتا تھا۔ وہ میرے سامنے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔

"جیرا! کیا تمہیں پتا ہے کہ میں تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہوں......؟"

"آپ جیلا کے قتل کی تفتیش جو کر رہے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ سمجھ نہیں آیا کہ میرا اس بندے سے کیا تعلق واسطہ۔"

"بہت گہرا تعلق ہے اور بہت مضبوط واسطہ۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "دو ماہ پہلے کا واقعہ بھول گئے ہو کیا؟"

"کون سا واقعہ جی؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"جب تمہارا جیلا سے جھگڑا ہو گیا تھا۔" میں نے... بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے مار مار کر جیلا کے کھنے کھول دیے تھے اور اسے خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں......دی تھیں یا نہیں؟"

"وہ جناب......" وہ ناگواری سے بولا۔ "اس نے بات ہی ایسی کر دی تھی کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور میں نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا تھا۔"

"اس نے تمہیں ایسا کیا کہہ دیا تھا؟" میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔ "کیا جیلا نے تمہیں کوئی ماں بہن کی گالی دی تھی؟"

"ماں بہن کی گالی تو میں شاید برداشت کر جاتا۔" وہ سلگتے ہوئے انداز میں بولا۔ "لیکن میں رانا جی کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتا۔"

"کون رانا جی؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"رانا اقبال جناب۔" اس نے بتایا۔ "میں نے رانا جی کا نمک کھایا ہے اور ان کے مجھ پر بہت سارے احسان ہیں۔ یہ جو میں گھوڑا تانگا چلاتا ہوں نا...... یہ بھی انہوں نے ہی مجھے بنا کر دیا ہے۔ وہ میرے ان داتا ہیں تھانے دار صاحب۔"

"اچھا جی......" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "جیلا نے تمہارے رانا جی کی شان میں ایسی کون سی گستاخی کر دی تھی کہ تم نے اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا؟"

"اس نے رانا جی کا مذاق اڑایا تھا۔" جیرا نے بتایا۔ "وہ کہہ رہا تھا، یہ نقلی رانا ہیں۔ ایک دو نسل پہلے لوگ کمہار ہوا کرتے تھے، کھوتے چراتے تھے اور ڈھوتے تھے۔ پھر اچانک یہ رانا بن گئے......" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جیلا کی یہ بکواس سن کر تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ تو لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا ورنہ میں اس کمینے کی......"

"جان لے لیتا......!" اس کے ادھورے جملے کو میں نے مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "ہیں نا......تم یہی کہنے والے تھے نا؟"

"ایسا ہو بھی سکتا تھا، تھانے دار صاحب!" وہ جوش میں بول گیا۔

"اس موقع پر لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور ایسا نہیں ہو سکا۔" میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم مسلسل اس تاک میں رہے کہ جیلا کو ٹھکانے لگا سکو اور پھر انیس مئی کو تمہیں ایسا موقع مل گیا اور تم نے ہتھوڑے کا مہلک وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"یہ غلط ہے جی۔" وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے جیلا کو قتل نہیں کیا۔ میں تو اس طرف آیا بھی نہیں اور انیس مئی کو تو میں گھر میں بھی نہیں تھا۔"

"گھر میں نہیں تھے......" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "پھر کہاں تھے تم؟"

"میں لاہور گیا ہوا تھا اپنی خالہ سے ملنے۔" اس نے بتایا۔

"تمہاری خالہ لاہور کے کس علاقے میں رہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"باغبان پورہ میں۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہاری خالہ کا نام کیا ہے اور اس کے گھر کا پتا کیا ہے؟"

"خالہ غفوراں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا پھر غفوراں کا ایڈریس مجھے نوٹ کروا دیا۔

"تم غفوراں سے ملنے کب لاہور گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔ "اور تمہاری واپسی کب ہوئی تھی؟"

"میں اتوار انیس مئی کی صبح لاہور کے لیے روانہ ہوا تھا اور دوپہر کا کھانا میں نے غفوراں خالہ کے ساتھ اس کے گھر میں کھایا تھا۔" اس نے بتایا۔ "پھر اگلے دن یعنی سوموار کی صبح میں واپس آیا تھا۔"

جیرا کے بیان کے مطابق، وہ وقوعہ کے وقت اپنی

خالہ غفوراں کے پاس لاہور میں تھا۔ اگر اس کے بیان میں کوئی ہیر پھیر نہیں تھا تو پھر وہ جیلا کے قتل میں ملوث نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ مرزا پور کے کھیت، باغبان پورہ لاہور سے کافی میلوں کی دوری پر تھے اور جیرا کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بیک وقت ان دو مقامات پر پایا جائے۔

"کیا غفوراں خالہ تمہارے اس بیان کی تصدیق کرے گی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں جناب۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "خالہ غفوراں ضرور میری بات کی گواہی دے گی۔"

"ٹھیک ہے، میں کسی اہلکار کو لاہور بھیج کر خالہ غفوراں سے تمہارے بیان کی تصدیق کرواتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "جب تک تم سرکاری مہمان کی حیثیت سے ادھر حوالات ہی میں رہو گے۔"

"جیسی آپ کی مرضی جناب۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ "میں تو عاجز اور بے چارہ سا بندہ ہوں۔"

"تم جتنے عاجز اور لاچار ہو، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے طنز میں بجھے ہوئے الفاظ میں کہا۔ "تمہارے جیسے اکثر جیرا بلیڈ سے میرا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولا اور میں نے اسے حوالات میں بھجوا دیا۔ جس زمانے کا یہ واقعہ ہے اس وقت فنگر پرنٹس اٹھانے کا رواج عام نہیں ہوا تھا اور اگر کوئی مستعد تفتیشی افسر ایسی جرأتِ رندانہ کر بھی گزرتا تھا تو عدالت اس کی کوشش کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔ کسی بھی ملزم کو مجرم ثابت کرنے کے لیے بڑے ٹھوس ثبوت عدالت میں پیش کرنا پڑتے تھے۔ آج کل کی طرح ہمارے زمانے میں آسانیاں میسر نہیں تھیں۔

اگر اس وقت فنگر پرنٹس کا رواج عام ہوتا اور عدالت بھی ان کی اہمیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تو میں آلۂ قتل کے چوبی دستے پر سے انگلیوں کے نشانات کو اٹھا کر جیرا بلیڈ اور جہانجے نال کے فنگر پرنٹس سے میچ کر کے فوراً اس بات کا اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان دونوں کا جیلا کے قتل سے کوئی تعلق ہے یا نہیں اور یہی عمل دیگر مشکوک افراد کے ساتھ بھی دہرایا جاسکتا تھا۔

میں نے جیلا کی لاش اس کے ورثاء کے حوالے کردی تھی اور مجھے پتا چلا تھا کہ اس کی تدفین عصر اور مغرب کے بیچ کردی جائے گی۔ مجھے جیلا کی المناک موت کا بہت دکھ تھا اور میری دلی خواہش یہی تھی کہ میں جلد از جلد اس کے قاتل تک پہنچ کر اسے عبرت ناک انجام سے دوچار کروں۔

☆☆☆

دوپہر کے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص مجھ سے ملنے تھانے آیا۔ میں نے اسے کمرے میں بلا لیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو میں چونک اٹھا۔

"ملک صاحب! میرا نام رانا اقبال ہے۔"

جیرا بلیڈ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رانا اقبال کا نمک خوار اور احسان مند ہے۔ میں نے فوراً اندازہ قائم کرلیا کہ وہ اپنے چمچے کے پیچھے آیا تھا۔ اس کے چہرے پر رعونت تھی۔

"رانا صاحب! آپ حویلی مراد سے تشریف لائے ہیں نا؟" میں نے کہا۔ "آپ کو اپنے بندے کی بہت فکر ہوگی۔"

"اپنے جاں نثاروں کی فکر تو کرنا ہی پڑتی ہے نا ملک صاحب۔" وہ سینہ چوڑا کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے جیرا کو جیلا کے قتل کے الزام میں تفتیش کے لیے یہاں بند کر رکھا ہے۔"

"آپ کو بالکل ٹھیک پتا چلا ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تفتیش جاری ہے۔"

"جیرا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وقوعہ کے روز وہ نہ تو حویلی مراد میں تھا اور نہ ہی مرزا پور میں۔" وہ مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"جی رانا صاحب! اس نے مجھے بتایا ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "وہ اپنی خالہ غفوراں سے ملنے لاہور گیا ہوا تھا۔"

"پھر بھی آپ نے اسے تھانے میں بند کر رکھا ہے؟" وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ "ایک بندہ جائے وقوعہ سے درجنوں میل دور تھا پھر وہ اس معاملے میں کیسے ملوث ہوسکتا ہے......!"

"اگر انیس مئی کی شام جیرا واقعی باغبان پورہ لاہور میں اپنی خالہ غفوراں کے پاس تھا تو پھر یقیناً اس کا جیلا کی موت سے کوئی تعلق نہیں جوڑا جاسکتا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ جیرا کا اور آپ کا بیان ہے۔ ابھی اس بیان کی تصدیق نہیں ہوسکی اور جب تک تصدیق نہیں ہوجاتی، جیرا کو شک سے پاک اور اس کیس سے بری الذمہ نہیں سمجھا جاسکتا۔"

"آپ کس قسم کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں؟" وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

"میں نے اپنے ایک بندے کو ماسی غفوراں کی

طرف روانہ کر دیا ہے۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔
''وہ جیسے ہی واپس آئے گا، جیرا کے بیان کی تصدیق یا تردید ہو جائے گی اور اس کے بعد ہی میں جیرا کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔''

''میں جانتا ہوں، آپ نے جیرا کو ایک معمولی سے واقعے کی وجہ سے اٹھالیا ہے۔'' وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ ''کچھ عرصہ پہلے جیرا کا جیلا سے جھگڑا ہو گیا تھا اور آپ کو شک ہے کہ جیرا نے اسی بنا پر جیلا کو ٹھکانے لگا دیا ہے ...... ہیں نا؟''

''بات تو آپ کی درست ہے رانا صاحب۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن شاید آپ کو پتا نہیں کہ قانون کی نظر میں معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر جیرا بے قصور ثابت ہوا تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔''

''اچھا ہوتا، آپ جیرا کو ابھی میرے ساتھ جانے دیتے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میں اس کی ضمانت دینے کو تیار ہوں۔''

''اتنا تیز نہ بھاگیں رانا صاحب......!'' میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ ''ابھی ضمانت کا وقت نہیں آیا۔ اگر میں نے آپ کے بندے کے خلاف پرچہ کاٹ دیا تو پھر آپ عدالت میں جا کر اس کی ضمانت کرانے کی کوشش کیجیے گا۔''

وہ چند لمحات تک خشمگیں نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے ملک صاحب۔ آپ نے میرا مان بھی نہیں رکھا......!''

''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے میں کیا ٹھیک کر رہا ہوں اور کیا غلط۔'' میں نے واشگاف الفاظ میں کہا۔ ''اور جہاں تک آپ کے مان اور احترام کا تعلق ہے تو میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو بہت عزت دی ہے۔''

جب اس نے دیکھا کہ میرے سامنے اس کی دال نہیں گل سکتی تو وہ خفگی بھرے انداز میں مجھے ''خدا حافظ'' کہہ کر تھانے سے رخصت ہو گیا۔

شام سے پہلے یہ ثابت ہو گیا کہ جیلا کو پیش آنے والے افسوس ناک واقعے سے نہ تو جما کا تعلق ہے اور نہ ہی جیرا کا کیونکہ حویلی مراد سے جما کے بیان کی اور لاہور سے جیرا کے بیان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ جب یہ دونوں افراد جائے واردات سے کافی دور تھے تو پھر انہیں مزید رو[کنا] مناسب نہیں تھا لہٰذا میں نے اس ہدایت کے ساتھ ان[ہیں] جانے کی اجازت دے دی کہ وہ مجھے اطلاع دیے بغیر [یہ] علاقہ چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔

اگلی صبح میں نے مقتول کے باپ رفیق کو تھانے بلالیا۔ اس کا بڑا بھائی صدیق عرف صدیقا بھی ساتھ چلا آیا تھا۔ میں نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھالیا پھر رفیق سے پوچھا۔

''جی، تھانے دار صاحب۔'' اس نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا پھر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''جیلا کے قاتل کا کچھ پتا چلا جی؟''

''ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا لیکن بہت جلد قاتل میری گرفت میں ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''میں نے اسی سلسلے میں تمہیں یہاں بلایا ہے۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں جناب!'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تم بہت کچھ کر سکتے ہو رفیق۔'' میں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ ''تفتیش کو کچھ نئے رخ ملے ہیں۔ میں اس سلسلے میں تم سے کچھ پوچھ تاچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی ضرور ...... میں حاضر ہوں۔'' وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔

''تھانے دار صاحب! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے حویلی مراد سے کانا جما اور جیرا کو چوان کو بھی پوچھ تاچھ کے لیے تھانے بلایا تھا۔'' صدیقا حلوائی نے معتدل لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔ ''انہوں نے کچھ اگلا کہ نہیں؟''

''انہوں نے کچھ نگلا ہی نہیں تھا تو اگلتے کہاں سے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''بہرحال، میں نے ان دونوں سے کڑی تفتیش کی ہے اور ان دونوں کو اس سلسلے میں بے قصور پایا ہے۔ وقوعہ کے روز وہ دونوں مرزا پور سے بہت دور تھے۔ کانا جما اپنے دوستوں قادر، ناصر اور حفیظ کے ساتھ سہ پہر ساڑھے تین بجے سے شام سات بجے تک راوی میں نہاتا رہا تھا، ہندوانے کھاتا رہا تھا اور تاش کھیلتا رہا تھا جبکہ جیرا کوچوان اس دن اپنی خالہ غفوراں سے ملنے لاہور کے ایک محلے باغبان پورہ گیا ہوا تھا۔ ان دونوں کا جیلا کے قتل سے کوئی تعلق واسطہ نہیں اس لیے میں نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر صدیقا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کل رانا اقبال بھی میرے پاس آیا تھا۔''

صدیقا حلوائی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ..دار ہوئے۔ اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''وہ یہاں کیا لینے آیا تھا؟''

''اپنے نمک خوار جیرا کو چوان کو لینے۔'' میں نے بتایا۔ ''لیکن میں نے اسے سوکھا ہی ٹرخا دیا۔''

''اچھا کیا آپ نے۔'' وہ اطمینان کی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یہ بندہ زہر لگتا ہے۔''

مجھے یوں محسوس ہوا کہ صدیقا حلوائی اپنے دل میں رانا اقبال کے لیے غم و غصے کے جذبات رکھتا تھا۔ میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمہیں رانا اقبال کیوں زہر لگتا ہے؟''

''وہ کم ذات اور کمینہ ہے۔'' وہ نفرت بھرے لہجے بولا۔

''میں نے سنا ہے، وہ اصلی رانا یعنی راجپوت بھی نہیں۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں صدیقا حلوائی سے پوچھا۔ ''اس نے اپنی ذات بدل رکھی ہے۔''

''جناب! تین چار نسلیں پہلے یہ لوگ کمہار ہوتے تھے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت یہ کہیں اور رہتے تھے۔ پھر ان کے پاس کہیں سے پیسا آ گیا۔ جب یہ ہمارے علاقے میں آ کر بسے تو خود کو رانا کہلوانا شروع کر دیا۔ یہ ہے ان کی ہسٹری۔''

''اوہ......!'' میں نے سراہنے والی نظر سے صدیقا کو دیکھا۔ ''تم تو ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔ تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ ان کے پاس دولت کہاں سے آ گئی تھی؟''

''مجھے صحیح طور پر تو پتا نہیں لیکن سنا ہے، انہوں نے کوئی بہت بڑا ڈاکا ڈالا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس ڈاکے سے حاصل ہونے والے مال و دولت نے انہیں کمہار سے رانا بنا دیا۔ کھوتے چرانے والے زمین دار بن گئے۔''

''یہی بات جیلا نے اپنی موت سے دو ماہ پہلے جیرا کوچوان سے کہی تھی۔'' میں نے صدیقا حلوائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جس پر جیرا کو طیش آ گیا تھا اور اس نے جیلا کے ساتھ مار پیٹ کی تھی۔''

''یہ بات آپ کو جیرا نے بتائی ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''تو پھر اس نے آپ کو آدھی بات بتائی ہے جناب۔'' اس نے کہا۔

''آدھی بات......کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''یہ سچ ہے کہ جیلا نے اس روز رانا اقبال کے بارے میں ایسی بات کی تھی جس پر جیرا کوچوان آپے سے باہر ہو گیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن جیلا نے...... خوامخواہ ایسی بات نہیں کی تھی۔ اس سے پہلے جیرا میری بیٹی نبیلہ کے حوالے سے کافی کچھ کہہ چکا تھا۔ جیلا نے تو اس کی بکواس کا جواب دیا تھا۔''

یہ ایک نیا زاویہ سامنے آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''ایک بات سمجھ نہیں آئی صدیقا۔ جیرا کی تمہاری بیٹی سے کیا دشمنی کہ وہ اس کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کرتا پھرے؟''

''جیرا کی نہیں، اس کے پرائیویٹ باپ رانا اقبال کی نبیلہ سے دشمنی ہے۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا۔ ''جیرا نے تو رانا کو خوش کرنے کے لیے اس دن جیلا سے مار پیٹ کی تھی۔''

''میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''نبیلہ اور رانا اقبال کی دشمنی کی کیا تک بنتی ہے؟''

''میں آپ کو سمجھاتا ہوں تھانے دار صاحب۔'' وہ بڑے رسان سے بولا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے رانا اقبال نے نبیلہ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ بیوی بچوں والا ہے۔ آپ خود سوچیں، اس رشتے کے لیے میں کیسے ہاں کر دیتا۔ میں نے اسے صاف انکار کر دیا۔ اس نے میرے انکار کو اپنی توہین سمجھا اور ایک روز وہ نبیلہ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ نبیلہ اس وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیتوں کی طرف جا رہی تھی۔ نبیلہ نے اس سے بچنے کی کوشش کی لیکن وہ بدتمیزی پر اتر آیا۔ نبیلہ کا بھی دماغ گھوم گیا۔ اس نے رانا کو خوب کھری کھری سنا دیں۔ اس ہنگامے پر وہاں کافی لوگ جمع ہو گئے اور معاملہ رفع دفع کرا دیا گیا لیکن رانا ایک کمینہ اور کینہ پرور شخص ہے۔ وہ اپنی بے عزتی کو بھولا نہیں اور جب میں نے نبیلہ کا رشتہ جیلا سے طے کر دیا تو اس نے نبیلہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں لیکن میں نے اس کی بکواس پر توجہ نہیں دی مگر جب اس کے چمچے جیرا نے جیلا کے سامنے نبیلہ کے بارے میں غلط الفاظ استعمال کیے تو وہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے بھی رانا اقبال کی اصلیت کھول کر بیان کر دی جس کے نتیجے میں ان کے درمیان مار پیٹ ہوئی تھی۔''

تو گویا یہ ''ایک انار، سو بیمار'' والا قصہ تھا۔ نبیلہ کا رشتہ تو جیلا سے طے ہوا تھا لیکن اس رشتے سے پہلے حویلی مراد

میں اس سے شادی کے کئی خواہش مند موجود تھے...... میں نے صدیقا طلوائی سے ایک اہم سوال کیا۔
"تم کیا کہتے ہو...... کیا جیلا کو پیش آنے والے واقعے میں رانا اقبال کا کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے؟"
"اللہ ہی بہتر جانتا ہے تھانے دار صاحب!" وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "میں خواہ مخواہ کسی پر الزام لگا کر اپنی مٹی خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ویسے میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ بہت کمینہ اور بدذات ہے۔"
میں رانا اقبال سے گزشتہ روز مل چکا تھا۔ صدیقا طلوائی کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔ میں نے اس شخص میں کافی غرور پایا تھا۔ بہرحال، صدیقا کی زبانی جو حالات مجھ تک پہنچے تھے ان کی روشنی میں، میں رانا اقبال کو یکسر نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نگرانی کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔
"رفیق!" میں نے مقتول کے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے رانا اقبال کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟"
"مجھے بھی ابھی پتا چلا ہے جناب۔" وہ جلدی سے بولا۔
میں نے سوالیہ نظر سے صدیقا کی طرف دیکھا۔
"فیکا ٹھیک کہہ رہا ہے تھانے دار صاحب۔" صدیقا نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ "اسے صرف اتنا پتا تھا کہ حویلی مراد میں نبیلہ کے کئی رشتے آئے ہوئے تھے لیکن میں نے اسے رانا اقبال کی کمینگی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔"
"ٹھیک ہے، میں آپ لوگوں کی بات کا یقین کر لیتا ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر رفیق سے مخاطب ہوتے ہوئے اضافہ کیا۔
"میں نے کل جیلا کی لاش تمہارے گھر بھجوا دی تھی تاکہ اس کی تدفین میں کوئی مزید تاخیر نہ ہو لیکن اس لاش کے ساتھ اسپتال سے جو رپورٹ آئی ہے، اس میں بعض باتیں ایسی لکھی ہوئی ہیں کہ ان کی تصدیق یا تردید صرف تم ہی کر سکتے ہو اور میں نے اسی لیے آج تمہیں تھانے بلایا ہے۔"
وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔ صدیقا طلوائی بھی سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے فیکا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"کیا جیلا کوئی نشہ وغیرہ بھی کرتا تھا؟"
"نہیں جناب، بالکل نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔
"کوئی سگریٹ، پان، افیون، چرس، حقہ، تمباکو یا کچھ اور......؟" میں نے کہا۔ "یا کوئی دوا وغیرہ؟"
سگریٹ، حقہ، تمباکو اگرچہ ان نشے میں شمار نہیں ہوتے تھے جیسا کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ میں لکھا گیا تھا لیکن میں نے روا روی میں فیکا سے سب کچھ پوچھ لیا تھا۔
"کچھ بھی نہیں سرکار۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "میرے دونوں بیٹوں نے کبھی کسی قسم کا کوئی نشہ نہیں کیا۔ آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اس کی رپورٹ میں یہی لکھا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "جیلا کے معدے سے حاصل ہونے والے مواد میں کسی نشہ آور چیز کی آمیزش پائی گئی ہے۔ اگر وہ کسی قسم کا نشہ نہیں کرتا تھا تو پھر کھانے میں اسے کچھ ملا کر دیا گیا تھا۔ یا صبح کے ناشتے میں اور یا پھر دوپہر کے کھانے میں......" میں نے لحاتی توقف کر کے گہری نظر سے فیکا کو دیکھا پھر ان الفاظ میں اضافہ کیا۔
"اور رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جیلا پر اس کی بے خبری میں وار کیا گیا تھا یعنی جب اس کی موت واقع ہوئی تو وہ کسی نشہ آور شے کے زیرِ اثر تھا۔ اگر یہ پتا چل جائے کہ اس کے معدے میں وہ نشہ آور چیز کس نے پہنچائی ہے تو پھر قاتل تک پہنچنا بہت آسان ہو جائے گا اور...... اس سلسلے میں صرف تم ہی راہ نمائی کر سکتے ہو۔"
"میں کیا کہوں تھانے دار صاحب۔" وہ عاجزانہ انداز میں بولا۔ "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیلا کسی قسم کا نشہ نہیں کرتا تھا۔ میں نے اسے کبھی سگریٹ تک پیتے نہیں دیکھا۔"
"وقوعہ کے روز صبح گھر سے نکلتے وقت اس نے کیا ناشتا کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"جناب! جب کھیتوں میں باقاعدہ کٹائی یا بیجائی کا کام چل رہا ہوتا ہے تو ہم لوگ صبح سویرے خالی پیٹ ہی نکل جاتے ہیں تاکہ دوپہر سے پہلے زیادہ سے زیادہ کام کھینچ لیں۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس روز بھی یہ دونوں بھائی کھائے پیے بغیر ہی کھیتوں کی طرف چلے گئے تھے۔"
"میں جانتا ہوں۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "جب کسان خالی پیٹ علی الصباح کھیتوں میں پہنچ کر کام میں جت جاتا ہے تو دوپہر سے پہلے اس کے گھر کی کوئی عورت ناشتا پانی لے کر کھیتوں کی طرف ضرور

جاتی ہے۔ عموماً کھیت میں کام کرنے والے افراد دس اور گیارہ بجے کے درمیان گھر سے آیا ہوا ناشتا کرتے ہیں اور پھر دوبارہ اپنے کام میں جت جاتے ہیں۔ یہ ناشتا اتنا قوی ہوتا ہے کہ پھر دوپہر کے کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور کسان شام میں واپس آکر گھر ہی میں سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے۔ فیکا جی! تم سے میرا سوال یہ ہے کہ......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''انیس مئی کو جیلا کے لیے کھانا لے کر کون کھیتوں کی طرف گیا تھا......تم یا تمہاری بیوی آسیہ؟''

''جب ہم تینوں باپ بیٹے کھیتوں میں مصروف ہوتے ہیں تو میری گھر والی ہمارے لیے ناشتا کھانا لے کر کھیتوں میں جاتی ہے۔'' رفیق عرف فیکا نے جواب دیا۔ ''لیکن میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے نا، اس روز میری کمر میں بہت زیادہ تکلیف تھی اور میں کام پر نہیں گیا تھا۔''

''تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ آسیہ کھانا لے کر کھیتوں میں گئی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جی، آسیہ تو سارا دن میری دیکھ بھال میں لگی رہی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''پھر کھانا کس نے پہنچایا؟'' میں نے کڑے لہجے میں دریافت کیا۔ ''اب یہ نہیں کہنا کہ اس دن کھانا گیا ہی نہیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتاتی ہے کہ جب جیلا کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، اس کے معدے میں کھانا موجود تھا اور اس کھانے کے اندر کسی نشہ آور شے کے آثار بھی پائے گئے ہیں......!''

''جی، میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس دن شیلا اور جیلا کے لیے کھانا گیا تھا۔''

''کون لے کر گیا تھا ان کا کھانا؟''

''اس بندے کا نام صفدر ہے جی۔'' اس نے بتایا۔ ''میری گھر والی نے صفدر کے ہاتھ ان دونوں کا کھانا بھجوایا تھا۔''

''یہ صفدر کون ہے؟'' میں نے ٹٹولنے والی نظر سے رفیق عرف فیکا کو گھورا۔ ''اور کہاں مل سکتا ہے؟''

مجھے شک گزرا تھا کہ کہیں اس بندے نے کھانے میں کچھ ملا تو نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے جیلا بے خبری کی حالت میں چلا گیا اور قاتل کو اپنا کام کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ ان خیالات کے دوران ہی میرے ذہن نے یہ بھی سوچا، کہیں یہ صفدر ہی جیلا کے قتل میں ملوث تو نہیں؟

''صفدر ادھر مرزا پور ہی کا رہنے والا ہے تھانے دار صاحب!'' رفیق نے کہا۔ ''اس وقت وہ کھیتوں میں ہوگا۔''

میں نے فوراً ایک اہلکار کو کھیتوں کی طرف دوڑایا کہ وہ صفدر کو اپنے ساتھ لے آئے پھر میں رفیق عرف فیکا کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''یہ صفدر کس قماش کا بندہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بھلا مانس ہے جناب......!''

''مطلب تمہیں صفدر پر پورا بھروسا ہے؟''

''اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ صفدر نے کھانے میں کچھ ملا دیا ہوگا تو ایسی کوئی بات نہیں تھانے دار صاحب۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''ہم نے پہلے بھی کئی بار صفدر کے ہاتھ کھانا بھیجا ہے۔ اس کی ہم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں۔''

''اس روز کھانے میں کون کون سی چیزیں شامل تھیں؟'' میں نے ایک دوسرے زاویے سے سوال کیا۔

''تندور (تنور) کی روٹیاں تھیں۔'' رفیق نے بتایا۔ ''اس کے ساتھ لسی تھی، اچار تھا اور دیسی آم تھے۔''

ان دنوں آم پک چکے تھے اور آم کے باغات میں ہر جانب رونق نظر آتی تھی۔ گرمیوں کے موسم میں اچار روٹی اور لسی کا بڑا عمدہ میل بنتا ہے اور اگر سیر ہو کر کھانا کھا لیں تو پھر کسی سایہ دار درخت کے نیچے لمبی تان کر بھی سونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ جیلا اسی کھانے کے زیر اثر اپنے ماحول سے غافل ہو گیا ہوگا لیکن یہاں پر ایک اہم سوال سر اٹھاتا تھا اور وہ یہ کہ...... یہ کھانا تو دونوں بھائیوں نے کھایا تھا پھر شیلا (شکیل) پر غفلت کی کیفیت طاری کیوں نہ ہوئی؟

اس سوال کے ذیل میں یہ سوال بھی موجود تھا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ شیلا نے کھانا کھایا ہی نہ ہو؟

ان تمام سوالات کے جواب حاصل کرنے کے لیے شکیل عرف شیلا کا تفصیلی انٹرویو بہت ضروری تھا۔ میں نے بیس مئی کو جائے وقوعہ پر اس سے سرسری پوچھ تاچھ کی تھی تاہم اس وقت تک یہ کیس مکمل اندھیرے میں تھا لیکن اب اس کے بہت سے پہلو کھل کر سامنے آچکے تھے لہٰذا اس مرحلے پر شیلا سے بات چیت سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے رفیق سے پوچھا۔

''شکیل اس وقت کہاں ہے؟''

''وہ ادھر گھر پر ہی ہے جناب۔''

''تم جب گھر پہنچو تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔''

میں نے کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ "بس معمول کی پوچھ کچھ کرنا ہے۔ ہوسکتا ہے، کوئی ایسی بات سامنے آجائے جو جیلا کے قاتل تک رسائی کو آسان بنادے۔"

"جی بہت اچھا۔" وہ تعاون آمیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔"

"تھانے دار جی!" صدیقا نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے جیرا اور کانا جما سے جو تفتیش کی ہے، اس سے کوئی ایسا سراغ ہاتھ لگا جو جیلا کے قاتل کو پکڑوا سکے؟"

"ابھی تک تو کوئی ایسا سراغ میرے ہاتھ نہیں لگا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں نے ان دونوں کو جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ آنے والے دو تین دن میں، میں قاتل کی گردن ناپنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"ان شاء اللہ......!" فیکا نے تہِ دل سے کہا۔

صدیقا بولا۔ "اللہ آپ کو کامیابی دے تھانے دار صاحب۔"

یہ "دو تین دن" والی بات میں نے بے ساختہ کہہ دی تھی۔ اس کے پیچھے کوئی خاص منطق نہیں تھی۔ بس میرے اندر سے یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ یہ کیس حل ہونے میں اب زیادہ دن نہیں لگیں گے۔

"تم کب تک مرزا پور میں ہو؟" میں نے صدیق سے پوچھا۔

"بس جی، آج ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔" اس نے بتایا۔ "ہمیں جیلا کی موت کا دکھ تو بہت ہے مگر کیا کریں جی۔ جو اللہ کی مرضی......!"

"بالکل، اللہ کی مرضی بڑی اہم ہے۔" میں نے کہا۔ "جیلا کی موت نے ہر ذی روح کو سوگوار کردیا ہے۔ اللہ کو منظور ہی نہیں تھا کہ نبیلہ کی جیلا سے شادی ہو۔ شاید اللہ نے تمہاری خواہش کو پورا کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔"

"میری کون سی خواہش تھانے دار صاحب؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں اللہ کی مرضی کی بات کررہا ہوں۔ میں نے سنا ہے، تم نبیلہ کی شادی شکیل سے کرنا چاہتے تھے لیکن جمیل نے ضد کی اور نبیلہ کا رشتہ جمیل سے طے ہوگیا...... ہیں نا؟"

"میری یہ خواہش بڑی اصولی تھی سرکار۔" وہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ "شکیل بڑا ہے۔ اس کی شادی پہلے ہونا چاہیے تھی لیکن جب جیلا نے ضد پکڑ لی اور فیکا اس کے سامنے مجبور ہوگیا تو پھر میں نے اپنی خواہش کو ایک طرف ڈال دیا۔ میرے لیے دونوں بھائی ایک جیسے تھے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا پھر سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

"مگر آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟"

پھر وہ اپنے چھوٹے بھائی فیکا کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی نگاہ کے مفہوم کو بھانپ لیا اور کہا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو صدیقا۔ یہ بات مجھے رفیق نے نہیں بتائی بلکہ خیرو چاچا پرچون فروش نے بتائی ہے۔"

"خیرو......!" اس کی حیرت دوچند ہوگئی۔ "مگر وہ تو ادھر حویلی مراد میں ہوتا ہے۔"

"تو میں نے کب کہا کہ وہ وہاں نہیں ہوتا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"خیرو یہاں آیا تھا یا آپ وہاں گئے تھے؟" اس نے سوال کیا۔

"میں وہاں گیا تھا کیس تاریخ کو مگر تھانے دار کی حیثیت سے نہیں بلکہ تمہارا ایک دور کا رشتے دار بن کر۔ میں نے خیرو کو اپنا نام ملک جواد بتایا تھا اور کہا تھا کہ میں ٹوبہ ٹیک سنگھ سے آیا ہوں۔ خیرو کے ساتھ میری کافی گپ شپ رہی تھی۔ تم جب واپس جاؤ گے تو وہ تمہیں میرے بارے میں ضرور بتائے گا۔"

"اچھا جی۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا۔ "صدیقا! اب جتنی جلدی ممکن ہو، نبیلہ کی شادی شکیل سے کردینا تاکہ ان لوگوں کا دکھ کم ہو......"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں تھانے دار صاحب۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ "اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ نبیلہ کے نصیب میں جیلا تھا ہی نہیں......" بولتے بولتے وہ خاموش ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی۔ چند لمحات کے بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ماتم والے گھر میں ذرا سکون ہوجائے تو پھر اس بارے میں کچھ سوچتے ہیں۔"

وہ دونوں بھائی مزید کچھ دیر تک میرے پاس بیٹھے رہے پھر مجھے سلام کرکے رخصت ہوگئے۔ صدیقا کو آج ہی واپس حویلی مراد جانا تھا لہٰذا وہ زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے تھانے کا اہلکار صفدر کو لے کر آ گیا۔ میں نے پوچھ گچھ کے لیے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔

صفدر ایک عام سی شکل صورت کا مالک تھا۔ اس کی عمر تیس کے قریب تھی۔ وہ اپنے تھانے بلائے جانے پر کافی گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے صفدر! تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟''

''بس جی، کبھی پولیس یا تھانے سے واسطہ جو نہیں پڑا۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولا۔

''واسطہ رکھا کرو نا!'' میں نے اس سے تفریح لیتے ہوئے کہا۔ ''پولیس والے بھی تمہاری طرح انسان ہی ہوتے ہیں...... اپنے پاس آنے والے کو کچا نہیں چبا جاتے!''

وہ بڑی فرمانبرداری سے بولا۔ ''ٹھیک ہے جی۔ اب میں آپ کے تھانے میں آتا رہوں گا۔''

''جب بھی ادھر سے گزرو، مجھے سلام کرلیا کرو۔ میں نے کہا پھر پوچھا۔'' جانتے ہو، میں نے اس وقت تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟''

''آپ جیلا کے قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اسی سلسلے میں آپ مجھ سے بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں۔''

''شاباش!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''بس، تو پھر شروع ہو جاؤ۔ مجھے بتاؤ کہ جیلا کو کس نے قتل کیا ہے؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں جی۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔ ''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''میں نے سنا ہے، وقوعہ کے روز تم ہی جیلا اور شیلا کو کھانا دینے گئے تھے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی، آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''اس دن چاچا فیکا بیمار تھا۔ چاچی آسیہ اس کی دیکھ بھال میں لگی ہوئی تھی لہٰذا جب میں ان کے گھر کی طرف سے گزرا تو انہوں نے کھانا مجھے تھما دیا اور میں کھانا لے کر کھیتوں کی جانب چل پڑا۔''

''اس کھانے میں کیا کیا تھا؟''

''لسی کا ڈول (بالٹی) تھا، روٹیاں تھیں، اچار تھا اور دیسی آم تھے۔'' اس نے فیکا کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے وہ کھانا کس کے حوالے کیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔ ''جیلا کو دیا تھا یا شیلا کو؟''

''شیلا کو جناب۔'' اس نے بتایا۔ ''میرے راستے میں سب سے پہلے وہی آتا تھا۔''

میں نے جائے وقوعہ کا تفصیلی معائنہ کیا تھا۔ جہاں جیلا کو قتل کیا گیا تھا، وہ حصہ گاؤں کی مخالف سمت میں پڑتا تھا جبکہ شیلا گاؤں والی سمت میں فصل کی کٹائی کر رہا تھا۔ دونوں مقامات میں چار پانچ کھیت کا فاصلہ حائل تھا جس میں گندم کی پکی ہوئی فصل کھڑی تھی۔ صفدر کا بیان منطقی اور جغرافیائی طور پر درست تھا۔ گاؤں کی جانب سے آنے والے کسی بھی شخص کا واسطہ پہلے شیلا سے پڑتا تھا۔

''کیا ان دونوں نے تمہارے سامنے کھانا کھایا تھا؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جناب!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں وہ کھانا شیلا کو تھما کر آگے بڑھ گیا تھا۔ انہوں نے کب کھانا کھایا، کھایا یا نہیں کھایا، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''جیلا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق، جیلا نے اس روز کھانا کھایا تھا۔'' میں نے بہ دستور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''اور اس کھانے میں کوئی نشہ آور شے بھی ملی ہوئی تھی جس کی وجہ سے جیلا غفلت کا شکار ہوگیا تھا چنانچہ قاتل نے اس کی بے خبری کا فائدہ اٹھایا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''ایسی نشہ آور چیز اس کے کھانے میں کون ملا سکتا ہے اور کیوں؟'' وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

اس کی حیرت میں مجھے کہیں مصنوعی پن نظر نہیں آیا تاہم میں نے صفدر پر چڑھائی جاری رکھی اور کہا۔

''ان دونوں سوالات کا جواب تم مجھے دو گے!''

''میں کیوں جی۔'' وہ متوحش لہجے میں بولا۔ ''میرا اس معاملے سے کیا تعلق؟''

''دیکھو صفدر!'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''جیلا کی ماں آسیہ بی بی نے وہ کھانا تمہارے حوالے کیا۔ کوئی ماں اپنے بیٹے کے کھانے میں نشہ آور چیز کیسے ملا سکتی ہے؟ تم نے وہ کھانا لا کر شیلا کے حوالے کر دیا۔ شیلا، جیلا کا بڑا بھائی ہے۔ وہ بھی اس قسم کی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتا۔ اب آ جا کے تم ہی باقی بچتے ہو......!''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ تڑپ کر بولا۔

"جناب! مجھے یقین ہے کہ آسیہ چاچی اور شیلا، جیلا کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کر سکتے لیکن میں آپ کو بالکل سچ بتا رہا ہوں کہ میرا اس معاملے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آپ چاہیں تو مجھ سے بڑی سے بڑی قسم بھی لے سکتے ہیں اور پورے مرزا پور کے لوگوں سے پوچھ سکتے ہیں۔ کبھی میری جیلا سے کھٹ پٹ نہیں ہوئی۔ میں اس کا دشمن نہیں بن سکتا تھانے دار صاحب۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہاری جیلا سے براہِ راست کوئی دشمنی نہ ہو۔" میں نے ایک امکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ کام کسی اور شخص کے کہنے پر کیا ہو۔ کوئی ایسا شخص جو اپنے دل میں جیلا سے شدید نفرت کرتا ہو......؟"

"یہ تو ٹھیک ہی ہے کہ جس کسی نے بھی جیلا کی جان لی ہے، وہ جیلا کو سخت ناپسند کرتا ہوگا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے جیلا کی لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن آپ میری بات کا یقین کریں کہ میں اس معاملے میں کسی بھی طور ملوث نہیں ہوں۔"

اس کی باتوں سے سچائی اور راست گوئی کی خوشبو آتی تھی۔ اگر وہ کوئی بہت بڑا جذبات کا ماہر اداکار نہیں تھا تو میرا پیشہ ورانہ تجربہ بتاتا تھا کہ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے صفدر! میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں۔ تم یہاں سے جاسکتے ہو لیکن مجھے پیشگی اطلاع دیے بغیر تم مرزا پور سے باہر کہیں نہیں جاؤ گے۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کا شک پوری طرح ختم نہیں ہوا؟" وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"صفدر!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پولیس ڈیپارٹمنٹ میں "شک" کی بہت اہمیت ہے کیونکہ پولیس کی تفتیش کی گاڑی شک کے پیٹرول ہی سے چلتی ہے۔ بہرحال......" میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر ہوکر جاؤ اور اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ اگر تمہیں اس قتل کی واردات کے حوالے سے کوئی بھی خاص یا عام بات پتا چلے تو فوراً میرے پاس چلے آنا۔"

اس نے مجھے، میری ہدایات پر عمل کرنے کا یقین دلایا اور سلام کرکے تھانے سے رخصت ہوگیا۔

☆☆☆

انیس مئی کو عصر اور مغرب کے درمیان جمیل عرف جیلا کو کھوپڑی پر آہنی ہتھوڑے کی ایک طوفانی ضرب لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ آلۂ قتل میں بازیاب کرچکا تھا لیکن ابھی تک اس قتل کا محرک کھل کر سامنے نہیں آسکا تھا لہٰذا قاتل کی گردن میرے آہنی ہاتھوں کی گرفت سے ابھی دور تھی۔

میں نے پچھلے تین چار دن میں جو بھی تفتیش کی تھی، اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوسکے تھے۔ کچھ واقعات و شواہد ابھر کر سامنے آتے تھے لیکن چند قدم آگے بڑھنے کے بعد اس کیس کے منظرنامے پر تاریکی چھا جاتی تھی اور تفتیش کی گاڑی بند گلی میں پہنچ کر رک جاتی تھی۔

میں نے ہمت نہیں ہاری تھی اور مجھے یقین تھا کہ بہت جلد جیلا کا قاتل میری تحویل میں ہوگا۔ میں اپنی انہی کوششوں میں ذہن اور جسم کو تھکانے میں ہمہ تن مصروف تھا کہ ایک اہم سرا میرے ہاتھ لگ گیا پھر اس کیس کی پرتیں ایک کے بعد ایک کھلتی چلی گئیں۔

تئیس مئی کی صبح سے رات تک میں بے حد مصروف رہا تھا لہٰذا جب میں اپنے کوارٹر میں جاکر سویا تو بڑی گہری نیند آئی۔ میں ایسا بے خبر سویا کہ فجر کی نماز بھی نکل گئی۔ میں عموماً فجر اور عشا کی نماز کو خطا نہیں کرتا الّا یہ کہ کوئی بہت بڑی مجبوری آڑے نہ آجائے جیسا کہ اس صبح ہوا تھا۔

میں چوبیس مئی کی صبح حسبِ معمول تیار ہوکر تھانے پہنچا تو ایک چونکا دینے والی خبر میری منتظر تھی اور اس خبر کا ماخذ تھا، مشتاق باجوہ۔ میں نے فوراً اسے اپنے پاس بلالیا۔

مشتاق باجوہ پستہ قامت، فربہ اور چھوٹا زمیندار تھا۔ اس کی زمین ضلع شیخوپورہ کی سرحد سے لگی ہوئی تھی تاہم اس زمین کا شمار مرزا پور یعنی ضلع شیخوپورہ ہی میں ہوتا تھا۔ آلۂ قتل وہ ہتھوڑا اسی کے کھیت سے ملا تھا۔

جب وہ میرے سامنے بیٹھ چکا تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "باجوہ! تمہارے چہرے کے تاثرات بتاتے ہیں کہ کوئی بہت ہی خاص خبر لائے ہو؟"

"آپ کا حکم تھا کہ اگر کوئی بھی غیر معمولی چیز میری نگاہ میں آئے تو میں فوراً آپ کو اطلاع دوں۔" وہ جوش بھرے انداز میں بولا۔ "بس، اسی لیے صبح ہی صبح حاضر ہوگیا ہوں ملک صاحب۔"

میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور مشتاق باجوہ سے پوچھا۔

"اب کون سی اہم اطلاع لے کر آئے ہو؟"

''ملک صاحب!'' وہ اپنی جیب کی جانب ہاتھ
جاتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو تو پتا ہی ہے کہ آج کل گندم کی
نائی کا سیزن چل رہا ہے۔ میں بھی اپنے کھیتوں میں فصل کی
نائی میں مصروف تھا تو یہ چیز میرے ہاتھ لگ گئی......''

بات کے اختتام پر اس نے اپنا ہاتھ جب جیب
سے باہر نکالا تو مجھے اس کے ہاتھ میں ایک تعویذ دبا ہوا
دکھائی دیا۔ اس نے وہ تعویذ میری جانب بڑھا دیا۔ میں
نے مذکورہ تعویذ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا معائنہ کیا۔

وہ کالی ڈوری میں پرویا ہوا چمڑے کا ایک تعویذ تھا۔
چمڑے کا رنگ سرخ تھا اور اس مستطیل تعویذ کا سائز ایک
انچ بائی ڈیڑھ انچ رہا ہوگا۔ تعویذ کی ڈوری کی گرہ کھلی ہوئی
تھی۔ میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ تعویذ حاملِ تعویذ کے
گلے سے ایسے چپکے سے گر گیا ہوگا کہ اس شخص کو پتا بھی نہیں
چلا ہوگا۔

میں نے اس تعویذ کو ہاتھوں میں گھمانے پھرانے
کے بعد مشتاق باجوہ سے سوال کیا۔ ''یہ تعویذ تمہیں کہاں
سے ملا ہے؟''

''میرے ایک کھیت میں سے ملک صاحب۔'' اس
نے جواب دیا۔ ''یہ کھیت اس کھیت سے جڑا ہوا ہے جہاں
سے وہ خون آلود ہتھوڑا ملا تھا۔''

''اوہ......'' میں نے ایک تشویش بھری گہری
سانس خارج کی پھر پوچھا۔ ''کیا تم اس تعویذ کو پہچانتے
ہو؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہیں معلوم ہے، یہ کس کا
تعویذ ہوسکتا ہے؟''

''نہیں جناب! میں اس تعویذ کے مالک کے بارے
میں کچھ نہیں جانتا۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔
''لیکن ایک بات میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس
تعویذ کا جیلا کے قاتل سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔''

''تمہاری بات میں خاصا وزن ہے باجوہ!'' میں نے
سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آلۂ قتل اور اس تعویذ
کا ایک ہی کھیت سے بازیاب ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ
جب قاتل نے وہ آہنی ہتھوڑا تمہارے کھیت میں پھینکا تو یہ
تعویذ بھی اس کے گلے سے کھل کر وہیں گر گیا ہوگا۔''

مزید دس پندرہ منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے مشتاق
باجوہ کو رخصت کر دیا اور حوالدار کو اپنے پاس بلا لیا۔

''فرزند علی!'' میں نے حوالدار کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔ ''مرزا پور میں کتنے موچی ہیں؟''

''صرف ایک ہی ہے ملک صاحب۔'' اس نے جواب
دیا۔ ''اس کا نام خادم حسین ہے......خیریت تو ہے نا؟''

''ابھی تک تو خیریت ہی ہے۔'' میں نے سنسناتے
ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن لگتا ہے، خادم حسین کے آنے
کے بعد خیریت کا سوا ستیاناس ہو جائے گا۔''

''ایسا کیا ہونے والا ہے ملک صاحب؟'' اس کے
چہرے پر حیرت بھری الجھن پیدا ہوئی۔

میں نے سرخ چمڑے میں سیا ہوا وہ کالی ڈوری والا
تعویذ فرزند علی کو دکھایا اور کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے مشتاق باجوہ یہ تعویذ لے کر آیا
ہے۔ یہ تعویذ بھی اسی کھیت سے ملا ہے جہاں سے پہلے وہ
آہنی ہتھوڑا ملا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس تعویذ کا تعلق جیلا
کے قتل سے ہے۔ اگر ہم اس تعویذ کے مالک تک پہنچ جائیں
تو پھر قاتل تک رسائی بہت آسان ہو جائے گی۔''

حوالدار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب۔ اس تعویذ
کی سلائی کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اسے کسی نے حال ہی میں
تیار کیا ہے۔''

''اور یہ سلائی ایسے ماہرانہ انداز میں کی گئی ہے جو کسی
ماہر فن موچی ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور تم
نے بتایا ہے کہ اس گاؤں میں صرف ایک ہی موچی ہے،
خادم حسین......!''

''بالکل ملک صاحب۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے
ہوئے بولا۔ ''میں ابھی خادم حسین کو تھانے بلاتا ہوں۔''

فرزند علی میرے کمرے سے رخصت ہوا تو میں اس
تعویذ اور اس کے مالک کے بارے میں سوچنے لگا۔ اغلب
امکان یہی تھا کہ مذکورہ تعویذ اسی شخص کا ہوگا جس نے وہ
آہنی ہتھوڑا مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پھینکا تھا۔ اس تعویذ
کی گرہ والا حصہ بتاتا تھا کہ تعویذ کا گلے سے اکلنا، گرہ کھل
جانے کے سبب تھا اور جب تعویذ گرا تو اس شخص کو مطلق
احساس نہیں ہوا ہوگا ورنہ وہ یہ سراغ مشتاق باجوہ کے کھیتوں
میں چھوڑنے کی غلطی نہ کرتا۔ وہ آہنی ہتھوڑا اس نے اپنی
مرضی سے پھینکا تھا اور یہ تعویذ آپوں آپ اس کے گلے سے
نکل کر کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد خادم حسین موچی میرے سامنے
بیٹھا تھا۔ وہ گہری رنگت کا مالک ایک سوکھا سڑا عمر رسیدہ شخص
تھا۔ چمڑے کے ساتھ دن رات مصروف رہنے کی وجہ سے
وہ خود بھی چمڑے ایسا ہی ہو گیا تھا۔

''حکم سرکار۔'' میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس

نے سوال کر دیا۔ "آپ نے کیسے یاد کیا؟"

"خادم حسین! میں نے تمہارا بہت نام سنا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ تم مرزاپور کے اکلوتے موچی ہو اور آلے والے کے گاؤں میں بھی تمہارے مقابلے کا کوئی موچی نہیں ہے۔ میں نے سوچا، آج میں بھی تمہیں چیک کرلوں۔"

"آپ نے میرے بارے میں جو بھی سنا، وہ بالکل ٹھیک سنا ہے تھانے دار صاحب۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ میری کس قسم کی چیکنگ کرنا چاہتے ہیں......!"

"میں سمجھاتا ہوں۔" میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ "تمہارا نام خادم حسین ہے اور بس میں تمہارے کام ہی کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں ملک صاحب۔" وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "ذرا کھل کر بتائیں......!"

"تم اپنے نام سے حسین کے خادم ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے اندر امام حسین کے اوصاف بھی موجود ہیں یا بس نام ہی کے خادم حسین ہو......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"جی...... میں نے ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا ہے۔" وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔ "اور کھری بات کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی تمہاری بات کی صداقت کو چیک کرتا ہوں۔" میں نے کہا پھر وہ چمڑے کا تعویذ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اس تعویذ کو پہچانتے ہو؟"

"بالکل پہچانتا ہوں سرکار۔" وہ کرارے لہجے میں بولا۔ "میں اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے ایک ایک تروپے (سلائی) کو دور ہی سے دیکھ کر جانچ لیتا ہوں۔"

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھا۔ "پھر تو تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ یہ تعویذ تم نے کس کے کہنے پر بنایا تھا؟"

میں نے ابھی تک خادم حسین کو مذکورہ تعویذ کی ہسٹری نہیں بتائی تھی۔ اس نے خاصی توانا آواز میں جواب دیا۔

"جی بالکل یاد ہے...... بہت اچھی طرح یاد ہے۔ یہ تعویذ میں نے جیلا کے بڑے بھائی شیلا کے لیے بنایا تھا!"

"کیا......؟" میں اپنی سیٹ پر اچھل کر رہ گیا۔

"شیلا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے تعویذ کو لال چمڑے میں منڈھ کر کالی ڈوری ڈال دوں۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔ "اس نے جس بابا سے یہ تعویذ لیا تھا، اس کی ہدایت تھی کہ لال رنگ کے کچے چمڑے میں اسے منڈھنا ہے۔ میں نے پہلے اس تعویذ کو موم جامے میں اچھی طرح لپیٹا پھر اپنی تیز نوک والی آر کی مدد سے لال چمڑے کے اندر سی دیا تھا۔ میں نے اس کی سلائی کے لیے موم لگا مضبوط دھاگا استعمال کیا تھا تاکہ کسی قسم کا گردوغبار یا پانی اس تعویذ کے اندر نہ پہنچ سکے۔"

خادم حسین کے انکشاف نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اگر یہ تعویذ واقعی شکیل عرف شیلا کا تھا تو پھر یہ سنسنی خیز سوال پیدا ہوتا تھا کہ تعویذ اس کھیت میں کیسے پہنچا جہاں سے آلۂ قتل دستیاب ہوا تھا۔ کیا شیلا مشتاق باجوہ کے کھیت میں گیا تھا؟ کیا وہ آہنی ہتھوڑا بھی شیلا ہی نے مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پھینکا تھا؟ اور کیا شیلا کا جیلا کی موت میں کوئی ہاتھ تھا؟

بادی النظر میں ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ دونوں بھائیوں میں بہت اچھے تعلقات تھے۔ کچھ عرصے بعد جیلا کی شادی ہونے والی تھی اور شیلا اس کی شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھا۔ میرے ذہن میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوا کہ ممکن ہے، شیلا کو پھنسانے کے لیے کسی نے وہ تعویذ مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پھینک دیا ہو......

گزشتہ روز جب فیکا اور صدیقا مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ گھر جا کر شیلا کو میرے پاس بھیج دیں لیکن شیلا تھانے نہیں آیا تھا۔ میں پچھلے دن اس قدر مصروف رہا تھا کہ شیلا میرے دھیان میں نہیں رہا تھا لیکن خادم حسین کے انکشاف کے بعد میں شیلا سے ملنے کے لیے بے تاب ہو گیا تھا۔ میرے ذہن میں ایسے ڈھیروں سنسنی خیز سوالات جمع ہو چکے تھے جن کے جواب صرف اور صرف شیلا ہی دے سکتا تھا۔

میں نے خادم حسین موچی کو فارغ کیا اور اپنے ایک بندے کو شکیل عرف شیلا کی طرف دوڑا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بندہ واپس آیا اور اس نے بتایا۔ "ملک صاحب! شیلا تو مرزاپور میں ہے ہی نہیں۔"

"کہاں چلا گیا وہ؟" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"مجھے پتا چلا ہے، وہ کل اپنے چاچے بلکہ تائے صدیقا کے ساتھ حویلی مراد چلا گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

میں نے پوچھا۔ "کچھ پتا چلا، شیلا کی واپسی کب تک

ہو گی؟''

''فیکا نے بتایا ہے کہ وہ دو تین دن ادھر ہی رہے گا۔''

''لیکن میں دو تین دن تک اس کا انتظار نہیں کر سکتا۔'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا پھر حوالدار کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''فرزند علی! تیاری کرو۔ ہم ابھی حویلی مراد جا رہے ہیں...... سیدھے صدیقا حلوائی کے گھر۔''

''جی ملک صاحب! بس پندرہ بیس منٹ کے بعد آپ مجھے بالکل تیار پائیں گے۔'' وہ جلدی سے بولا پھر مجھے سیلوٹ کرنے کے بعد روانگی کے انتظامات کرنے چلا گیا۔

☆☆☆

دوپہر کے وقت ہم حویلی مراد میں تھے۔ اس وقت ہم دونوں پولیس کے یونیفارم میں تھے۔ اب کی بار میں نے متعلقہ تھانہ انچارج آف حویلی مراد کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور سیدھا صدیقا حلوائی کے گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ صدیق کی مٹھائی کی دکان گھر والے راستے پر ہی پڑتی تھی اور اس کی دکان کے بازو میں خیر دین پرچون فروش کی دکان تھی۔ میں نے خیر دین کی دکان پر پہنچ کر تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''چاچا! کیا میرا دور کا رشتے دار صدیقا حلوائی واپس آ گیا ہے؟''

خیر دین نے مجھے پہلے سول ڈریس میں دیکھا تھا۔ اب جو پولیس کی وردی میں دیکھا تو چونک اٹھا۔ سرسراتی ہوئی آواز میں مستفسر ہوا۔

''جواد پتر! کیا تم پولیس والے ہو؟''

''ہاں چاچا! میں مرزا پور والے تھانے کا انچارج ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بس، چاچا! پولیس کی نوکری میں سو سو بھیس بدلنا پڑتے ہیں۔''

''تو اس دن تم سادہ لباس میں تفتیش پر تھے اور آج باوردی آئے ہو۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لگتا ہے، اب مجرموں کی خیر نہیں۔''

''بس چاچا! دعا کرو، میں جلد از جلد جیلا کے قاتل کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں نے کہا۔

''میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں پتر۔'' وہ خلوص دل سے بولا۔ ''اللہ تمہیں فتح دے گا۔''

ہم صدیقا حلوائی کے گھر پہنچ گئے۔ اس نے ہمیں بیٹھک میں بٹھایا پھر پریشان لہجے میں بولا۔

''تھانے دار صاحب! سب خیریت تو ہے نا...... آپ یہاں؟''

''بس شیلا سے کچھ سوال و جواب کرنا ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے کل آپ دونوں کو تاکید کی تھی کہ گھر پہنچتے ہی شیلا کو میرے پاس بھیج دینا لیکن تم نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی!''

''تھانے دار صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ پریشانی میں یہ بات ہمارے ذہن سے نکل گئی۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''پھر جب ہم مرزا پور سے روانہ ہو رہے تھے تو فیکا نے زبردستی شیلا کو ہمارے ساتھ کر دیا۔ یہ اپنے بھائی کی المناک موت پر بہت دکھی تھا۔ فیکا نے سوچا کہ شیلا چند دن یہاں رہے گا تو اس کا دل بہل جائے گا۔''

میں نے بیٹھک میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے استفسار کیا۔ ''اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ گھر کے اندر ہی تھا۔'' اس نے بتایا پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں شیلا کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں اور آپ کی خاطر تواضع کا بھی بندوبست کرتا ہوں۔''

''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں صدیقا۔'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ ''اس گھر کا ماحول سوگوار ہے۔ ہم یہاں پکنک منانے نہیں آئے۔ بس، شیلا سے چند سوالات کرنا ہیں۔ اس کے بعد ہم واپس چلے جائیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے جناب لیکن آپ پہلی مرتبہ میرے گھر آئے ہیں۔'' وہ اصراری لہجے میں بولا۔ ''میں کچھ کھلائے پلائے بغیر آپ کو یہاں سے نہیں جانے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے صدیقا! جیسی تمہاری مرضی۔'' میں نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں جو بھی تکلف کرنا ہے، وہ سب بعد میں کرنا۔ فی الفور تم شیلا کو میرے پاس بھیج دو۔''

''جی اچھا جناب......'' یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھک سے نکل گیا۔

میں اس وقت بیٹھک کے داخلی دروازے کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا اور حوالدار فرزند علی میرے سامنے دوسری دیوار کے ساتھ۔ میں نے فوراً حوالدار کے ساتھ اپنی جگہ بدل لی۔

اس نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''اس کی کوئی خاص وجہ ملک صاحب؟''

''بہت ہی خاص الخاص وجہ ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''میں ادھر بیٹھ کر شیلا کا انٹرویو کروں گا اور تم دروازے کے نزدیک بالکل مستعد رہنا۔ ابھی میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ یہاں کیا صورتِ حال پیش آئے گی۔ اگر شیلا کسی بھی زاویے سے اپنے بھائی کے قتل میں ملوث ہے تو میرے سوالات اسے چکرا کر رکھ دیں گے اور عین ممکن ہے، وہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے۔ ایسے موقع پر تم اس کی کوشش کو ناکام بنا دو گے۔''

''جی، اب میں سمجھ گیا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ فکر نہ کریں۔ شیلا پر گہری نظر رکھوں گا اور اسے یہاں سے ہلنے بھی نہیں دوں گا لیکن مجھے نہیں امید کہ شیلا کا جیلا والے واقعے میں کوئی ہاتھ ہو......!''

''تم ٹھیک کہتے ہو فرزند علی!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''لیکن ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''ہاں جی...... یہ بات تو ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

تھوڑی ہی دیر میں شیلا بیٹھک میں داخل ہوا اور میری جانب بڑھتے ہوئے بہ آوازِ بلند بولا۔

''السلام علیکم تھانے دار صاحب!''

اس کے چہرے پر کوئی خاص پریشانی مجھے نظر نہ آئی۔ ''وعلیکم السلام!'' میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اسے اپنے قریب ہی سامنے بٹھالیا پھر کہا۔ ''شیلا! اگر تم مرزا پور ہی میں تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس تھانے آ جاتے تو مجھے تمہارے پیچھے یہاں تک نہ آنا پڑتا۔''

''میں بہت معذرت خواہ ہوں تھانے دار صاحب۔''

وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''ابا اور تایا اپنی پریشانی میں آپ کا پیغام مجھ تک نہیں پہنچا سکے اور پھر میں ادھر ان لوگوں کے ساتھ ہی آ گیا۔''

اس کے پیچھے ہی صدیق حلوائی بھی ایک ڈھکی ہوئی ٹرے اٹھائے بیٹھک میں داخل ہوا تھا۔ اس نے مذکورہ ٹرے کو ایک چھوٹی میز پر رکھنے کے بعد اس کا پردہ اٹھایا تو ٹرے کے اندر مجھے پیڑے والی لسی کا بھرا ہوا جگ رکھا دکھائی دیا اور اس جگ کے ساتھ دو کنگ سائز گلاس بھی تھے۔ علاوہ ازیں ٹرے کے اندر دو پلیٹیں بھی رکھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک میں برفی کے ٹکڑے اور دوسرے میں کٹے ہوئے آم کی قاشیں سجی ہوئی تھیں۔ صدیق حلوائی تھا۔ یقیناً یہ برفی اسی کی دکان کا تحفہ تھی۔

وہ ہمارے لیے دونوں گلاسوں میں لسی انڈیلنے کے بعد بولا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ لسی پانی سے دل بہلائیں اور شیلا سے جو پوچھنا ہے وہ بھی اطمینان سے پوچھ لیں۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔'' پھر وہ شیلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''پتر! اگر اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا۔''

''جی تایا جی! آپ فکر نہ کریں۔'' شیلا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

مطمئن ہونے کے بعد صدیق حلوائی بیٹھک سے نکل گیا اور میں شیلا کی جانب متوجہ ہو گیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''شیلا! تم سے میری ملاقات صرف اسی دن ہوئی تھی جب میں جائے وقوعہ پر کارروائی کرنے آیا تھا لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئی ہیں جن کا جواب صرف تم ہی دے سکتے ہو۔''

میں نے دانستہ اپنا انداز بہت دھیما رکھا تاکہ اسے کسی قسم کا شک نہ ہو۔ وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

''آپ پوچھیں جی، جو بھی پوچھنا چاہتے ہیں۔ میری تو یہی خواہش ہے کہ جیلا کا قاتل جلد از جلد قانون کی گرفت میں آ جائے اور اس کا انجام عبرتناک ہو......''

''بالکل ایسا ہی ہوگا شیلا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ کے روز تم لوگوں کا کھانا صفدر نامی ایک بندے نے کھیتوں میں پہنچایا تھا؟''

''جی صفدر ہی نے پہنچایا تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اس کھانے کو آپ اتنی زیادہ اہمیت کیوں دے رہے ہیں تھانے دار صاحب؟''

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اس... کھانے میں تنور کی روٹیاں، لسی، اچار اور دیسی آم تھے نا؟''

''جی...... جی ہاں۔''

''کیا تم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا یا الگ الگ؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ساتھ ہی کھایا تھا جناب......'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''تم کھیتوں کے جس حصے میں فصل کی کٹائی کر رہے تھے وہاں سے گاؤں زیادہ نزدیک تھا اسی لیے صفدر وہ کھانا

نہیں دے کر آگے بڑھ گیا تھا جبکہ ......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے گہری سانس لی پھر بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جبکہ جیلا گاؤں کی مخالف سمت والے کھیتوں میں کام کر رہا تھا۔ کیا تم کھانا لے کر اس کے پاس گئے تھے یا وہ تمہارے پاس آیا تھا۔ ایک ساتھ کھانا کھانے کے لیے ضروری تھا کہ تم دونوں ایک ہی مقام پر موجود ہو؟''

''میں نے آواز دے کر جیلا کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔'' وہ سنبھلے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''پھر ہم نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔''

''اس کے بعد جیلا واپس ان کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا جہاں وہ فصل کی کٹائی کر رہا تھا؟''

''جی ایسا ہی ہوا تھا۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ عصر سے پہلے جیلا کا ہاتھ درانتی سے کٹ گیا تھا اور تم نے اس پر پٹی باندھ دی تھی اور اسے گھر جانے کے لیے کہہ دیا تھا کہ وہ زخمی ہاتھ کے ساتھ آرام کر سکے۔'' میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''پٹی کروانے وہ تمہارے پاس آیا تھا یا تم اس کی طرف گئے تھے؟''

''وہی میرے پاس آیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم نے اس کے زخمی ہاتھ پر پٹی کی اور اسے گھر بھیج دیا؟''

''جی بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔''

''کیا جیلا تمہارے سامنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا تھا؟''

''جی......'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

''پھر وہ واپس اسی جگہ کیسے پہنچ گیا جہاں کسی نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی جناب۔'' وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ ''میں نے تو اپنی آنکھوں سے اسے گاؤں کی طرف جاتے دیکھا تھا اور اس کے بعد میں مطمئن ہو کر اپنے کام میں جت گیا تھا۔''

''اور تم نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ شام سے تھوڑی دیر پہلے تم نے کام ختم کیا اور پھر گھر کی جانب چل پڑے تھے؟''

''جی بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''اچھی طرح سوچ کر بتاؤ شیلا۔'' میں نے اس کے گرد اپنے سوالات کا دائرہ تنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم وقوعہ کے روز کھیتوں سے نکل کر سیدھے گھر آئے تھے یا کہیں اور بھی گئے تھے؟''

''جی...... میں سیدھا گھر گیا تھا۔''

''اچھی طرح سوچ کر جواب دیا ہے نا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جی، جو سچ ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ میرے کڑے سوالات نے اسے کافی بے چین کر دیا تھا۔ میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

## مختصر... مختصر

### جن

شادی کی ایک تقریب میں جن آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ایک باباجی نے لڑکیوں کو وضو کرنے کے لیے کہا۔ لڑکیاں وضو کر کے آئیں تو انہیں دیکھ کر جن کی چیخیں نکل گئیں۔

### کوّا

ایک کوّا مولوی کے ہاتھ سے گوشت لے اڑا۔ مولوی نے چلا کر ایسی بات کہی کہ کوّا گھبرا کر گوشت واپس دے گیا۔ مولوی نے کہا...... بے غیرت صبح اعلان کر دوں گا کہ کوّا حلال ہے۔

### دعا

ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا۔ مالک تو نے مجھے بچپن دیا چھین لیا، جوانی دی چھین لی، پیسا دیا، واپس لے لیا مگر بیوی دی اور دے کے بھول گیا۔

### وعدہ

گاہک نے دکاندار سے کہا۔ ''جب میں نے آپ سے موٹر سائیکل خریدی تھی تو آپ نے وعدہ کیا تھا کہ تین ماہ تک موٹر سائیکل چلاتے ہوئے جو بھی ٹوٹے گا آپ اس کی جگہ دوسرا سامان لگوا کر دیں گے۔''

دکاندار نے کہا۔ ''جی فرمائیے کیا ہوا؟ کیا ٹوٹ گیا؟''

گاہک بولا۔ ''سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے ہیں۔''

مرسلہ: وزیر محمد خان، بفل ہزارہ

''لیکن مجھے ایک بندے نے کچھ اور ہی بتایا ہے......!''

''کک...... کیا......'' وہ لکنت زدہ لہجے میں بولا۔ ''آپ کو...... کس نے...... کیا بتایا ہے......؟''

''اس بندے کا نام تو ابھی مجھے یاد نہیں آرہا۔'' میں نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس نے مجھے بتایا ہے کہ انیس مئی کی شام یعنی وقوعہ کی شام اس نے تمہیں مشتاق باجوہ کے کھیتوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔''

''وہ...... بندہ جھوٹ بولتا ہے...... بکواس کرتا ہے......'' وہ...کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

''ہاں...... مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' میں نے اسے اپنے شیشے میں اتارتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس روز کام ختم کرنے کے بعد کھیتوں سے سیدھے اپنے گھر گئے تھے۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے تھانے دار صاحب۔ ابھی آپ نے جو کہا یہی سچ ہے۔'' وہ اطمینان بخش سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''لوگ تو پتا نہیں، کہاں کہاں کی اڑاتے رہتے ہیں۔''

''اور میں سب کی سن لیتا ہوں مگر یقین اسی بات کا کرتا ہوں جو مبنی بر حقیقت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر میں لوگوں کی الٹی سیدھی باتوں پر سنجیدہ ہو جاؤں تو پھر ہو گئی تھانے داری۔''

وہ مطمئن ہو کر تعریفی نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں مختلف زاویوں سے اسے گھیرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے سوالات کا موضوع تبدیل کر دیتا تھا تاکہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ میں اسے گھیرنے کی سعی میں ہوں۔

''شیلا! کیا تمہیں تعویذ دھاگے اور بابا لوگوں پر یقین ہے؟'' میں نے ایک نئے انداز سے سوال کیا۔

''جی بالکل!'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''اگر کوئی بابا پہنچا ہوا ہو تو اس کا تعویذ گولی کی طرح کام کرتا ہے۔''

''مطلب یہ کہ اس تعویذ سے گولی کا کام لے کر ہم کسی بھی شخص کو قتل کر سکتے ہیں؟'' میں نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

''نہیں جناب......'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر پیر کامل ہو تو اس کا تعویذ تیر کی طرح کام کرتا ہے یعنی بڑی تاثیر والا ہوتا ہے۔''

''اچھا...... اب سمجھا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا اس سلسلے میں تمہارا کوئی ذاتی تجربہ بھی ہے؟''

''کیسا ذاتی تجربہ جی......'' وہ الجھن زدہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

''ارے یار......!'' میں نے دوستانہ انداز میں بڑی بے تکلفی سے کہا۔ ''کیا تم کسی ایسے بابا کو جانتے ہو جس کے تعویذ میں جادوئی اثرات ہوں؟''

''جی بالکل جانتا ہوں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''ادھر توبہ ٹیک سنگھ میں ایک بہت پہنچے ہوئے بابا ہیں۔ وہ ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔''

''اچھا......!'' میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم کبھی ان بابا سے ملے ہو؟ ان سے کوئی تعویذ وغیرہ بھی لیا ہے؟''

''جی...... ایک ماہ پہلے توبہ ٹیک سنگھ والے بابا کے پاس گیا تھا۔'' اس نے بڑے فخر سے بتایا۔ ''اور ان سے ایک تعویذ بھی لیا تھا۔''

''شیلا! میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے کس مقصد کے لیے تعویذ لیا تھا کیونکہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہاری خواہش کی کرید میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''آپ بہت اچھے ہیں تھانے دار صاحب!'' اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اس کے سر پر سے منوں وزن اتر گیا ہو۔

''لیکن......'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ ضرور پوچھوں گا کہ اس بابا کے تعویذ نے کام کیا...... مطلب، تمہاری وہ خواہش پوری ہوگئی جس کی خاطر تم نے وہ تعویذ لیا تھا۔''

''جی تھانے دار صاحب......'' وہ جذبات سے لبریز لہجے میں بولا۔ ''اس تعویذ نے بڑا ٹھیک ٹھاک کام کیا ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ بہت جلد میری وہ خواہش پوری ہونے والی ہے۔''

''واہ وا......'' میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں میری طرف سے ایڈوانس مبارک ہو۔''

''بہت شکریہ تھانے دار صاحب۔'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے فوراً پلٹا کھایا اور اس کے گرد پھیلے ہوئے جال کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں نے لہجے کا دوستانہ پن برقرار رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''شیلا! کیا تم مجھے وہ طلسماتی تعویذ دکھا سکتے ہو؟''

''جی ضرور......'' بے ساختہ اس کا ہاتھ گردن کی طرف چلا گیا پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ ''تھانے دار صاحب! وہ تعویذ اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔''

''پھر کہاں ہے وہ تعویذ؟''

''وہ میں نے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔''

''یعنی مرزا پور والے گھر میں؟''

''جی...... جی...... اسی گھر میں۔'' اس نے بتایا۔

''اچھی طرح سنبھال کر رکھا ہے نا اس تعویذ کو؟'' میں نے تصدیق طلب انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل جناب! میں اس کرشماتی تعویذ کے حوالے سے کسی قسم کی بے احتیاطی کیسے برت سکتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس تعویذ سے تو میری بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔''

''اس تعویذ کو اتار کر گھر میں رکھنے کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

''جی تھانے دار صاحب!'' وہ بڑی صفائی کے ساتھ مجھے الو بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''بابا نے کہا تھا کہ اگر گھر میں کسی بچے کی پیدائش ہو یا کسی کی موت واقع ہو جائے تو پھر چالیس دن کے لیے اس تعویذ کو اتار کر گھر میں کسی محفوظ مقام پر رکھ دینا اور میں نے ایسا ہی کیا ہے۔''

''گڈ......!'' تعویذ کے حوالے سے میں اسے پوری طرح اپنے جال میں جکڑ چکا تھا لہٰذا میں دوسری جانب نکل گیا اور اس سے پوچھا۔ ''شیلا! کیا تمہیں پتا ہے کہ جیلا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کیا لکھا ہوا ہے؟''

''نن...... نہیں جی......'' وہ قدرے محتاط انداز میں بولا۔ ''آپ بتائیں جی۔''

میں نے بتایا۔ ''اس رپورٹ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جیلا کے سر کو اس کی بے خبری میں نشانہ بنایا گیا تھا یعنی ان لمحات میں وہ کسی نشہ آور شے کے زیر اثر تھا۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب......'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''رپورٹ میں یہی سب لکھا ہے شیلا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''جیلا کے معدے سے کھانے کا جو مواد لیا گیا تھا، اس کے اندر کسی نشہ آور شے کے اثرات پائے گئے ہیں اور میری معلومات کے مطابق، جیلا کسی قسم کا نشہ بھی نہیں کرتا تھا۔''

''ہاں جی...... وہ کوئی بھی نشہ آور شے نہیں لیتا تھا۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''تم دونوں بھائیوں نے وقوعہ کی دوپہر ایک جگہ بیٹھ کر ایک ساتھ ایک جیسا کھانا کھایا تھا۔'' میں نے اپنے لہجے میں قدرے تیزی بھرتے ہوئے کہا۔ ''کیا کھانے کے بعد تمہیں بھی غنودگی یا بے خبری کا احساس ہوا تھا؟''

''بالکل نہیں جناب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں ہشاش بشاش اپنا کام کرتا رہا تھا اور پھر شام میں اپنے گھر چلا گیا تھا......''

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے شیلا؟'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

''میں دو تین دن ادھر تایا صدیقا کے گھر رہوں گا۔'' اس نے بتایا۔ ''پھر واپس اپنے گھر مرزا پور چلا جاؤں گا۔''

''اور کیا میں تمہاری بے بے کا ملازم ہوں جو یہاں بیٹھا دو تین دن تمہاری بک بک سنتا رہوں گا......؟'' میں نے رعب دار آواز میں کہا۔

میرے اچانک بدلتے ہوئے تیوروں نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ لکنت زدہ آواز میں بولا۔ ''م میں سمجھا نہیں ..... تھانے دار .. صاحب!''

''باقی کی باتیں میں تمہیں حوالات میں جا کر سمجھاؤں گا ذلیل انسان۔'' میں نے دہاڑ سے مشابہ آواز میں کہا پھر حوالدار کی جانب دیکھتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''فرزند علی! اس عاقبت نااندیش کو گرفتار کرلو......فوراً۔''

اس اچانک بدلتی ہوئی صورتِ حال نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بجلی کی سرعت سے دروازے کی سمت دوڑ لگا دی۔

حوالدار نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ فرزند علی کی ٹانگ کے ساتھ ایسا الجھا کہ منہ کے بل دروازے کے باہر صحن میں گرا۔ حوالدار نے چابک دستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے الٹی ہتھکڑی پہنا دی۔

یہ اشا غِخ دیکھ کر صدیقا حلوائی اور اس کی گھر والی کنیز فاطمہ بھی وہاں آ گئے۔ میں نے زمین پر پڑے ہوئے شیلا کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھڈا رسید کرتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا۔

''چپ چاپ اٹھ کر شرافت سے بیٹھ جاؤ ورنہ سر پر اتنے جوتے ماروں گا کہ آنے والی سات نسلیں گنجی پیدا

ہوں گی۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں تھانے دار صاحب۔" صدیقا طلوائی اپنے بھتیجے کی حمایت میں مجھ سے مستفسر ہوا۔ "آخر اس کا قصور کیا ہے؟"

"قصور......!" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اس کم ذات نے اپنے سگے بھائی کو قتل کیا ہے...... میں جمیل عرف جیلا کی بات کر رہا ہوں صدیقا۔"

"مگر...... یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟" وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "شیلا ایسا کیوں کرے گا؟"

"اس لیے کرے گا تاکہ نبیلہ سے اس کی شادی ہو سکے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا پھر اپنی جیب سے سرخ چمڑے میں منڈھا ہوا کالی ڈوری والا تعویذ نکال کر شیلا کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کاٹ دار آواز میں استفسار کیا۔

"یہ وہی تعویذ ہے نا جو تم کسی ٹوبہ ٹیک سنگھ والے بابا سے لائے تھے اور تمہارے بیان کے مطابق، یہ تعویذ اس وقت مرزا پور میں تمہارے گھر کے اندر ایک محفوظ مقام پر پڑا ہوا ہے......!"

"یہ آپ کے پاس...... کیسے پہنچ گیا......؟" وہ جھرجھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں تمہارے ٹوبہ ٹیک سنگھ والے بابا کا بھی باپ ہوں۔" میں نے کھا جانے والی نظر سے اسے گھورا۔ "میں نے اپنے جادو کے زور سے اس تعویذ کو تمہارے گھر سے نکال کر مشتاق باجوہ کے کھیتوں میں پہنچا دیا تھا...... جہاں تم نے وہ آہنی ہتھوڑا پھینکا تھا جس کی طوفانی ضرب سے تم نے اپنے بھائی جیلا کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔"

اس کی حالت "نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن" والی تھی۔ میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں صدیقا طلوائی کو اس کے بھتیجے کے کرتوتوں سے آگاہ کیا اور شیلا کو گرفتار کر کے اپنے تھانے لے آیا۔

☆☆☆

میں کیا، کوئی بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ جیلا کو شیلا نے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا ہو گا لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ جیلا کا قاتل تھا۔

اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے بعد شیلا کے لیے میرے دل و دماغ میں غصہ بھر گیا تھا لہٰذا میں نے تھانے پہنچ کر اسے فرزند علی کے حوالے کیا اور کہا کہ دل کھول کر اور جی بھر کر اس کی خاطر تواضع کرے۔

شیلا نے ایک رات حوالات میں تختۂ مشق بنے رہنے کے بعد اپنا جو بیان ریکارڈ کرایا، وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا۔ اسے جیلا سے شدید نفرت تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک (شیلا کے مطابق) جیلا نے اس کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کی کوشش۔ کوئی کھانے پینے کی چیز ہو یا کوئی کھلونا، جو شیلا کو پسند آتا، جیلا ضد کر کے اسے حاصل کر لیتا تھا۔ پھر یہ معاملہ جب نبیلہ سے شادی تک پہنچا تو شیلا کی برداشت جواب دے گئی۔ یہاں بھی جیلا نے ضد کر کے نبیلہ سے شادی کی بات پکی کرا لی تھی۔

وہ نبیلہ کو حاصل کرنے کے لیے ٹوبہ ٹیک سنگھ والے بابا کے پاس پہنچ گیا۔ اس بابا نے شیلا کو کوئی طلسماتی تعویذ دیا لیکن اس تعویذ نے خاطر خواہ کام نہیں کیا اور جیلا کی شادی سر پر آن پہنچی۔ اس صورت حال نے شیلا کا دماغ خراب کر دیا اور وہ مدد کے لیے دوبارہ ٹوبہ ٹیک سنگھ والے بابا کے پاس پہنچ گیا۔ اس بابا نے نہایت ہی رازداری سے شیلا کو ایک آئیڈیا دیا اور شیلا نے اس آئیڈیے کو عملی جامہ پہنا دیا...... جی، جیلا کو آہنی ہتھوڑے کی مدد سے موت کے گھاٹ اتارنے والا آئیڈیا اسی بابا نے شیلا کو دیا تھا۔

شیلا نے پہلے جیلا کے کھانے میں نشہ آور دوا ملائی تاکہ اسے اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب جیلا غفلت کی حالت میں پہنچا تو شیلا نے اس کی کھوپڑی پر وزنی آہنی ہتھوڑے کی ضرب لگا کر اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ جیلا کی موت کے بعد ظاہر ہے نبیلہ کی شادی شیلا ہی سے ہونا تھی۔ اس کمینے نے اپنے سوچے سمجھے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اپنے مردہ بھائی کا ہاتھ درانتی سے کاٹ کر اس پر پٹی بھی باندھ دی تھی تاکہ وہ جو اسٹوری دنیا والوں کو سنانے والا تھا، اس میں کوئی جھول نہ رہے۔

میں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ والے شیطان بابا کو بھی گرفتار کر کے شیلا کے شریکِ جرم کی حیثیت سے جیل بھجوا دیا۔

حسد اور جلن بہت تباہ کن جذبات ہیں۔ حسد کی آگ اور جلن کی تپش انسان کو اندر ہی اندر جلا کر کھوکھلا کر دیتی ہے پھر وہ دوسرے انسانوں کی زندگی سے کھیلنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

شیلا نے جو کچھ کیا، وہ ایک سوچی سمجھی کہانی تھی لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

(تحریر: حُسام بٹ)